هٰذا بلاغ للنّاس
ماهنامه
کراچی
البلاغ
سرپرستی:
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

دارالعلوم کراچی کا ترجمان

| مدیر اعلیٰ | مدیر انتظامی |
| --- | --- |
| محمد تقی عثمانی | خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری |

جلد ۲ — رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

شمارہ ۹ — دسمبر ۱۹۶۸ء

فی پرچہ : ۵۰ پیسے ——— سالانہ : ۶ روپے

غیر ممالک سے : ایک پونڈ سالانہ — ہوائی ڈاک سے : ۲ پونڈ سالانہ

ڈاک کا پتہ ——— ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴ فون ۳۸۱۱۶

ہندوستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر ڈاک خانہ کی رسید ہمیں بھیج دیں
رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائے گا

مولانا ظہور الحسن صاحب۔ خانقاہ امدادیہ۔ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر
(یو۔پی)

# ترتیب

## ذکر و فکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تمیزِ رنگ و بو بر ما حرام است

حمد و ستائش اس ذات کیلئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے اس جہاں میں حق کا بول بالا کیا

---

پچھلے دنوں راقم الحروف کو وطن عزیز کے مختلف حصوں میں جانے کا اتفاق ہوا اور مختلف حلقوں سے تبادلۂ خیال کرنے کا موقع ملا۔ اس سفر سے جہاں بے شمار فوائد حاصل ہوئے، وہاں اس بات کا بھی اندازہ ہوا کہ کچھ عرصے ملک میں کچھ بڑے خطرناک رجحانات پیدا ہو رہے ہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان رجحانات کا بیج کچھ بیرونی عوامل نے بویا ہے اور ملک کے باشندے ان کے پورے پس منظر اور نتائج و عواقب سے بے خبر بڑی سادہ لوحی کے ساتھ ان کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

ان رجحانات میں سب سے زیادہ خطرناک رجحان "نسلی اور صوبائی تعصب" کا رجحان ہے جو بیک وقت ملک کے تقریباً تمام حصوں میں اُبھرنے لگا ہے۔ اور ایک طبقہ ہے جو مسلسل اسے ہوا دینے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اس صورتِ حال کو ہم اس لئے انتہائی خطرناک سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں جب بھی نسلی اور لسانی تعصب نے فروغ پایا ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لئے اس سے زیادہ مہلک اور کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی۔ دشمنانِ اسلام کا یہ معمول رہا ہے کہ جب کبھی انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ مسلمانوں پر براہِ راست حملہ آور ہونے سے عاجز ہیں، انہوں نے مسلمانوں کے درمیان رنگ و نسل کے فتنے جگانے کی کوشش کی ہے تاکہ خود مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے درمیان نفرت کی دیواریں حائل ہو جائیں۔ اور وہ باہمی خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر یہ سوچ ہی نہ سکیں کہ ان کا دشمن کن سرگرمیوں میں مصروف ہے؟ اور تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی دشمنانِ اسلام کا یہ داؤ چل گیا ہے، مسلمان کو ہمیشہ زک اٹھانی پڑی ہے اور بعد میں کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

کوئی فتنہ کبھی فتنے کے نام سے سامنے نہیں آتا، نہ کوئی سازش کبھی سازش کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ ہر فتنہ ہمیشہ کسی

دلکش لبادے میں لپٹ کر سامنے آتا ہے، اور بسا اوقات انسان کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی فتنے کا شکار ہو رہا ہے۔

"تعصب" کا معاملہ بھی یہی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی "تعصب" کے نام سے اُسے پسند نہیں کر سکتا، اس لئے وہ ہمیشہ "حقوق" کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، سکھانے والا کبھی مسلمان کو یہ نہیں سکھائے گا کہ چونکہ تم سندھ کے باشندے ہو اس لئے تمہیں پنجاب کے باشندوں سے نفرت کرنی چاہئے۔ بلکہ اس کے سکھانے کا انداز ہمیشہ یہ ہوگا کہ پنجاب تمہارا بھائی ہے، مگر اس نے تمہارے حقوق کو پامال کیا ہوا ہے، تمہیں اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ...... اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ بس سکھانے اور پڑھانے کا یہی طریقہ آج بھی اختیار کیا جا رہا ہے۔

جن حق تلفیوں کی بنیاد پر اس قسم کے نعرے بلند کئے جاتے ہیں وہ سراسر جھوٹ اور افسانہ نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں سے بعض بالکل سچی بھی ہوتی ہیں، ان کی بنا پر ملک کے ایک خطّے کو دوسرے خطّے سے پوری دیانتداری کے ساتھ صحیح شکایتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور یہ حکومت کا فرض ہے کہ ان شکایات پر حقیقت پسندی کے ساتھ غور کر کے انھیں رفع کرے۔ لیکن ان شکایتوں کی بنیاد پر "صوبائی خود مختاری" کی راہ تجویز کرنا وہ سراسر تخریبی اندازِ فکر ہے جس کا نتیجہ باہمی نفرت، افتراق اور انتشار کے سوا کچھ نہیں۔

ماضیٔ قریب میں بھی ہم نے اس علاقائی تعصب کے ہاتھوں ایسا کاری زخم کھایا ہے جو ہزار کوششوں کے باوجود اب تک نہیں بھر سکا۔ خلافتِ عثمانیہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک مشترکہ حصار تھی۔ اگرچہ اپنے آخری دور میں اس میں بہت سی خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں، لیکن اس کا یہ فائدہ بہرحال پورے عالمِ اسلام کو پہنچ رہا تھا کہ اس کے ذریعہ تمام مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا، اور دشمنوں کو اس پر بری نظر ڈالنے سے پہلے ایک بار جھرجھری ضرور آجاتی تھی، مگر دشمنوں نے یہاں بھی "عربی" اور "ترکی" کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ علاقائی خود مختاری کے نعرے بلند ہوئے، باہمی خانہ جنگیاں شروع ہوئیں، اور بالآخر قومیت کے ہتھوڑے نے مسلمانوں کی اس مضبوط چٹان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔

پاکستان میں ہزار باتیں قابلِ ترمیم و اصلاح سہی، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا میں اس کا وجود مسلمانوں کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ کچھ عرصے سے پورے عالمِ اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی ہیں اور دنیا بھر کے مظلوم و مقہور مسلمانوں نے اس کے استحکام کو اپنی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بنایا ہوا ہے۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کے جہاد میں پاکستان نے اللہ کے فضل و کرم سے جس مثالی اتحاد، عزم اور شجاعت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے دنیا بھر میں اسلام دشمن عناصر کے کان کھڑے کر دیئے ہیں، پاکستان کا اتحاد و استحکام ان کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے۔ اور وہ ہر آن اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کی یہ اُبھرتی ہوئی قوت ——— خاکم بدہن ——— دب کر ختم ہو جائے۔

ان حالات میں پاکستان کے باشندوں کو ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہے، اس مرحلے پر دشمنوں کے داؤ پیچ سے بچنے کے لئے جذبات سے زیادہ سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک باعزت قوم کی طرح زندہ رہیں اور پورے عالمِ اسلام کی ان توقعات کو پورا کریں جو انھوں نے ہم سے وابستہ کی ہوئی ہیں تو ہر خوش آواز نعرے کے پیچھے چل پڑنے کی طفلانہ عادت ہمیں چھوڑنی ہوگی۔

آجکل علاقائی عصبیت کا جو رجحان ملک کے مختلف حصوں میں نمودار ہو رہا ہے اسے پہلے ہی قدم پر دبانے کے لئے چند باتیں ضروری ہیں۔ اول تو حکومت کو چاہئے کہ وہ ہر خطّے کی جائز شکایات کو ایجی ٹیشن کی نوبت آنے سے قبل ہی، فکر کرے

پوری کوشش کرے اور کسی خاص خطے کے ساتھ ترجیحی سلوک کے ادنیٰ شائبہ کو بھی گوارا نہ کرے، تاکہ عصبیت کے اس رجحان کو کوئی جائز بنیاد میسر نہ آسکے۔ دوسرے ہر خطے کے عوام کو چاہئے کہ اگر انھیں کچھ معقول شکایات ہیں تو ضرور ان کے لئے تعمیری تدابیر اختیار کریں۔ اور پوری ملت کے اجتماعی مفاد کی خاطر ان شکایات کو علاقائی افتراق کی بنیاد نہ بنائیں، اور موجودہ زمانہ میں اتحاد اور یک جہتی کی اہمیت کو کما حقہٗ محسوس کریں، ہمیں ہر آن یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ پاکستان کے پانچ مختلف خطوں کی مثال ایک ہاتھ کی پانچ انگلیوں کی سی ہے۔ ہر انگلی صرف اس وقت تک مفید، مضبوط اور مستحکم ہے جب تک وہ دوسری انگلیوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، ان میں سے جس انگلی کو بھی الگ کیا گیا تو اس سے ہاتھ کو نقصان بعد میں پہنچیگا وہ انگلی پہلے بیکار ہو جائے گی۔

تیسرے ہماری ناقص رائے میں ہر خطے کے علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ علاقائی عصبیت کے نعروں کی کھل کر مخالفت کریں، اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس جذبے کے جراثیم کو ختم کرنے کی پوری کوشش اور اس معاملے میں حکومت کے ساتھ مکمل تعاون کا مظاہرہ فرمائیں۔

یہاں ایک بات حکومت کے توجہ کرنے کی ہے، اور وہ یہ کہ پاکستان میں رنگ و نسل کے بتوں کو ہمیشہ کے لئے زڑ ڈالنے کا پائیدار اور مؤثر طریقہ صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ یہاں اسلام کے صرف نام کو نہیں بلکہ اس کی حقیقت اور روح کو صحیح طریقے سے بروئے کار لایا جائے۔ افسوس ہے کہ ہم ابھی تک اس روشن حقیقت کا پوری طرح احساس نہیں کرسکے ابھی تک ہم اسلام کے صرف نام سے کام چلانا چاہتے رہیں، جس دن ہم نے صدق دل سے اسلام کی حقیقت کو اپنا لیا، دنیا کھلی آنکھوں دیکھ لے گی کہ رنگ و نسل کا امتیاز کس طرح مٹا کرتا ہے! یہ صرف اور صرف اسلام ہے جو پانچ مختلف معاشروں کو یک جان کر کے ہمیشہ کے لئے ان کے دل میں یہ بات جاگزیں کر سکتا ہے کہ ؎

تمیز رنگ و بو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

---

رمضان کی مبارک ساعتیں ایک بار پھر ہم پر سایہ گستر ہونے والی ہیں، یہ وہ مہینہ ہے جس کا انتظار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین ماہ پہلے سے کیا کرتے تھے، رحمتوں کے اس موسم بہار کی صحیح قدر و قیمت تو وہی حضرات پہچان سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے عبادت کا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہے، ہم جیسے کور ذوق لوگ اس کی کیا قدر کر سکتے ہیں بہرحال اتنا اطمینان ضرور ہے کہ قارئین "البلاغ" کی برادری میں ایسے صاحبِ دل حضرات کی کمی نہیں ہے جو رمضان کے اوقات کی قدر پہچانیں گے۔ ایسے حضرات سے خصوصاً، اور تمام قارئین سے عموماً یہ التجا ہے کہ وہ اس ماہ کے مخصوص اوقات میں عالمِ اسلام کی صلاح و فلاح، قبلۂ اول کی بازیابی اور پاکستان کی ظاہری و باطنی ترقیات کے لئے خاص طور سے دعا فرمائیں، نیز اپنی دعاؤں میں دارالعلوم، اہل دارالعلوم اور اس ناچیز کو فراموش نہ فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد تقی عثمانی
۲۵ شعبان ۸۸ھ

# سورۃ النحل

---

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (٢٤) لِيَحْمِلُوْآ اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (٢٥) قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (٢٦) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (٢٧)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں وہ تو محض کہانیاں ہیں جو پہلے لوگوں سے چلی آرہی ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ ان لوگوں کو قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اٹھانا پڑے اور جن کو یہ بے علمی سے گمراہ کر رہے تھے ان کا بھی کچھ بوجھ اپنے اوپر اٹھانا ہوگا۔ خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو یہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ برا بوجھ ہے جو لوگ ان سے پہلے گذرے ہیں انھوں نے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں تو اللہ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آپڑی۔ اور ان پر عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو اس طرف گمان بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور یہ کہے گا کہ اب وہ کہاں ہیں۔ جن کو تم میرا شریک ٹھیرا کر جھگڑا کرتے تھے۔ علم والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر پر قبض کی تھی، پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہ کرتے تھے۔ کیوں نہیں بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ سو جہنم کے دروازوں میں گھس جاؤ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ غرض تکبر کرنے والوں کا وہ برا ٹھکانا ہے۔

**ربط آیات وخلاصہ تفسیر** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور تخلیق عالم میں یکتا ہونے کا ذکر کرکے مشرکین کی اپنی گمراہی کا بیان تھا۔ ان آیات میں دوسروں کو گمراہ کرنے اور اس کے عذاب کا

بیان ہے۔ اور اس سے پہلے ایک سوال قرآن کے متعلق ہے۔ اور اس سوال کے مخاطب تو یہاں مشرکین ہیں اور انھیں کا جاہلانہ جواب یہاں ذکر کرکے ان پر وعید بیان کی گئی ہے اور پانچ آیتوں کے بعد یہی سوال مؤمنین متقین کو خطاب کرکے کیا گیا اور ان کا جواب اور اس پر وعدہ انعامات کا ذکر ہے۔

قرآن کریم نے یہ نہیں کھولا کہ سوال کرنے والا کون تھا اس لئے مفسرین کے اس میں اقوال مختلف ہیں کسی نے کافروں کو سوال کرنے والا قرار دیا کسی نے مسلمانوں کو کسی نے ایک سوال مشرکین کا اور دوسرا مؤمنین کا قرار دیا۔ لیکن قرآن کریم نے اس کو مبہم رکھ کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس بحث میں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ سوال کس کی طرف سے تھا دیکھنا تو جواب کا اور اس کے نتیجہ کا ہے جن کا قرآن نے خود بیان کر دیا ہے۔

مشرکین کی طرف سے خلاصہ جواب یہ ہے کہ انھوں نے اسی کو تسلیم نہیں کیا کہ کوئی کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا بھی ہے بلکہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا۔ قرآن کریم نے اس پر یہ وعید سنائی کہ یہ ظالم قرآن کو کہانیاں بتلا کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس کا یہ نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا کہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا پورا وبال تو ان پر پڑنا ہی ہے جن کو یہ گمراہ کر رہے ہیں ان کا بھی کچھ وبال ان پر پڑے گا۔ اور پھر فرمایا کہ گناہوں کے جس بوجھ کو یہ لوگ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے۔

اور انھوں نے جو دوسروں کو گمراہ کرنے کی تدبیر نکالی ہے کہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں بتلا کر ایمان کا راستہ روکا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے گمراہوں نے انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں بڑی بڑی تدبیریں کیں سو اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیروں کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے ڈھا دیا اور وہ اپنی تدبیر میں ایسے ناکام ہوئے جیسے کسی پر مکان کی چھت آ پڑے اور وہ اس کے نیچے دب کر رہ جائے اور اس ناکامی کے علاوہ ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب ایسی طرح آیا کہ ان کو اس طرف کا گمان بھی نہ تھا۔ یہ حالت تو ان کی دنیا میں ہوئی پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا کرے گا۔ اسی رسوائی کا ایک پہلو یہ بھی ہوگا کہ ان سے سوال کیا جائے گا کہ جن بتوں یا جن لوگوں کو تم خدائی میں شریک ٹھیرا کر جھگڑے کیا کرتے تھے آج وہ کہاں ہیں تمہارے کوئی کام تو نہیں آیا ان کی اس حالت کو دیکھ کر حق کو جاننے اور ماننے والے کہیں گے کہ آج پوری رسوائی اور عذاب کافروں پر ہے جن کی جان فرشتوں نے حالت کفر میں قبض کی تھی۔

ان لوگوں کے متعلق اہل علم کا یہ قول درمیان کلام میں شاید اس لئے لایا گیا ہے کہ کفار کی رسوائی کا عام اور علانیہ ہونا معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ یہ کافر لوگ محشر کے ہولناک حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد انبیاء سے صلح کا پیغام ڈالیں گے یعنی اپنے کفر و شرک اور مخالفت انبیاء سے صاف مکر جائیں گے۔ اور کہنے لگیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام جس میں ذرا بھی مخالفت ہو نہیں کرتے تھے اس کو صلح کا پیغام اس لئے کہا گیا کہ آج انبیاء کی بات کو ماننے اور مخالفت نہ کرنے کا دم بھر رہے ہیں۔ جیسا دوسری ایک آیت میں ان کا قول یہ نقل کیا گیا ہے واللہ ربنا ما کنا مشرکین مگر اب بات ماننے اور اطاعت کرنے کا وقت گذر چکا ہے اس لئے یہ ایک اور جرم ہے کہ جرم کرکے اس سے انکار کر رہے ہوئے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا۔ کیوں نہیں بلکہ تم تو ہمیشہ انبیاء کی مخالفت کرکے برے کام کرتے چلے آئے ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو۔ آخر کلام میں ان کے انجام بد کو ان الفاظ

بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ کے خلاف تکبر کرنے والوں کا یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

یہاں تک ماذا انزل ربکم کا سوال جو مشرکین سے کیا گیا تھا اس کا گمراہ کن جواب اور اس کے انجام بد کا بیان تھا۔ آگے یہی سوال مؤمنین متقین سے کر کے ان کا جواب بیان کیا گیا ہے۔

والذین ھاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبوئنھم فی الدنیا حسنۃ ط ولاجر الآخرۃ اکبر لو کانوا یعلمون ﴿۴۱﴾ الذین صبروا وعلیٰ ربھم یتوکلون ﴿۴۲﴾

اور جنھوں نے ترک وطن کیا اللہ کے واسطے ظلم سہنے کے بعد البتہ ان کو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

## تشریح و تفسیر

الذین ھاجروا۔ ہجرت سے مشتق ہے، ہجرت کے لغوی معنی ترک وطن کے ہیں ترک وطن جو اللہ کے لئے کیا جائے وہ اسلام میں بڑی طاعت و عبادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔

یہ ہجرت بعض صورتوں میں فرض و واجب اور بعض صورتوں میں مستحب و افضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام تو سورۂ نساء کی آیت ۹۷ الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا کے تحت بیان ........ اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے ہیں

## احکام و معارف

**کیا ہجرت دنیا میں بھی فراخی عیش کا سبب ہوتی ہے**

آیات مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں اول تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا، دوسرے آخرت کے بے حساب ثواب عظیم کا دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں، یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے۔ دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہو۔ عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو۔ عزت و شرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔ (قرطبی)

آیت کا شان نزول اصالۃً وہ پہلی ہجرت ہے جو صحابۂ کرام نے حبشہ کی طرف کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت مدینہ منورہ دونوں اس میں داخل ہوں آیت میں بیان انھیں مہاجرین حبشہ یا مہاجرین مدینہ کا ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ انھیں حضرات صحابہ کیلئے تھا جنھوں نے حبشہ کی طرف یا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ دنیا میں پورا ہو چکا جس کا سب نے مشاہدہ کر لیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنا دیا۔ ایذا دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غمخوار ہمدرد جان نثار پڑوسی ملے۔ دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہوا۔ ہجرت پر تھوڑا ہی عرصہ گذرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے فقراء و مساکین مالدار ہو گئے دنیا کے ممالک فتح ہوئے۔ ان کے حسن اخلاق حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق و مخالف کی زبان پر ہیں۔ ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شرف بخشا۔ یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکی۔ اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے۔ لیکن تفسیر بحر محیط میں ابو حیان کہتے ہیں۔

> والذین ھاجروا عموم فی المھاجرین کائنا ما کانوا فیشمل اولھم وآخرھم
>
> (ص ۴۹۲ ج ۵)

الذین ھاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے کسی خطے اور کسی زمانے

کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کے لئے ہر ہجرت کرنیوالا اس میں داخل ہے۔

عام تفسیری ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آیت کا شان نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ اور خاص جماعت ہو مگر اعتبار عموم لفظ ہوتا ہے اس لئے اس وعدہ میں تمام دنیا کے اور ہر زمانے کے مہاجرین شامل ہیں اور یہ دونوں وعدے تمام مہاجرین کے لئے پورا ہونا امر یقینی ہے۔

اسی طرح کا ایک وعدہ مہاجرین کے لئے سورۂ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وسعة. جس میں وسعت مکانی اور فراخی عیش خاص طور سے موعود ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ان وعدوں کے ساتھ مہاجرین کے کچھ اوصاف اور ہجرت کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں اس لئے ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہو سکتے ہیں جو ان اوصاف کے حامل ہوں اور جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کر دی ہو۔

ان میں سب سے پہلی شرط تو فی اللہ کی ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو اس میں دنیاوی منافع تجارت، ملازمت وغیرہ اور نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں۔ دوسری شرط ان مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے من بعد ما ظلموا تیسرا وصف ابتدائی تکالیف و مصائب پر صبر اور ثابت قدم رہنا ہے الذین صبروا چوتھا وصف تمام مادی تدبیروں کا اہتمام کرتے ہوئے بھی بھروسہ صرف اللہ پر رکھنا ہے کہ فتح و نصرت اور ہر کامیابی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وعلیٰ ربھم یتوکلون۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مشکلات و تکالیف تو ہر کام میں ہوا ہی کرتی ہیں۔ ان کو عبور کرنے کے بعد بھی اگر کسی مہاجر کو اچھا ٹھکانا اور اچھے حالات نہیں ملے تو قرآن کے وعدے میں شبہ کرنے کے بجائے اپنی نیت و اخلاص اور اس حسن عمل کا جائزہ لے جس پر یہ وعدے کئے گئے ہیں تو اس کو معلوم ہو گا کہ قصور اپنا ہی تھا۔ کہیں نیت میں کھوٹ ہوتا ہے کہیں صبر و ثبات اور توکل کی کمی ہوتی ہے۔

امام قرطبی نے اس جگہ ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا ہے اتمام فائدہ کے لئے اس کو نقل کرتا ہوں۔

---

حدیث: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی دروازہ رمضان ختم ہونے تک نہیں کھولا جاتا ہے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جن میں سے کوئی دروازہ (ختم رمضان تک) بند نہیں کیا جاتا ہے اور خدا کی طرف سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے خیر کے طلب کرنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے تلاش کرنے والے رک جا اور بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے آزاد کرتے ہیں اور ہر رات ایسا ہی ہوتا ہے (ترمذی عن ابی ہریرہؓ) اور ایک روایت میں ہے کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

روزے اور قرآن بندہ کے لئے سفارش کریں گے، روزے کہیں گے اے رب ہم نے اس کو دن میں کھانے اور دیگر خواہشات سے روک دیا لہٰذا اس کے حق میں ہماری سفارش قبول فرما لیجئے۔ قرآن عرض کریگا کہ میں نے رات کو اسے سونے نہ دیا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمایئے۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کر لی جائے گی۔ (بیہقی فی الشعب عن عبداللہ بن عمرؓ)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ
فرانسیسی سے ترجمہ: جناب محمد حسن عسکری

# دُشمنانِ رسُولِ خدا کی نفسیات

میں جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ لکھنے اور قرآن شریف کا ترجمہ کرنے میں مصروف تھا (یہ دونوں چیزیں ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئیں) تو مجھے بار بار اپنے آپ سے یہ سوال پوچھنا پڑتا تھا۔ فلاں شخص کا عمل ایسا کیوں رہا؟ بعض دفعہ چند ایسے واقعات بھی میرے سامنے آتے رہے جن سے ان مشکل سوالوں پر روشنی پڑتی تھی۔ میں ایسی چیزوں کو یہاں یک جا کر رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس قسم کا کام ابھی تک کسی نے نہیں کیا۔ لہٰذا اس مضمون میں کچھ نقائص ضرور رہ گئے ہوں گے۔ بہر حال جو تھوڑی بہت معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں انھیں کسی لمبے چوڑے دعوے کے بغیر پیش کرتا ہوں، قارئین کرام اپنی معلومات کی بنا پر اس میں بیش قیمت اضافے خود ہی کریں گے۔

اس سلسلے میں یوں تو اچھا خاصا مواد بھی جمع ہو گیا ہے لیکن میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں کی نفسیات پر مضمون لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر کوئی بادشاہت کا دعوے دار ہو تو اس کے ہم عصروں میں طرح طرح کے حسد اور رقابت کے جذبے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ مگر روحانی مصلح اور پیغمبر اصولاً نہ تو کسی کی کوئی چیز چھیننا چاہتا ہے نہ زبردستی لوگوں کو زیر کرنا چاہتا ہے۔ اس کے برخلاف اس کا واحد مقصد تو سارے انسانوں کی فلاح و بہبود ہوتا ہے، اور وہ کوئی مادی یا غیر مادی انعام بھی طلب نہیں کرتا۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی طرف سے جس ردِّ عمل کا سامنا کرنا پڑا وہی کچھ پہلے پیغمبروں کو بھی اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیش آیا۔

قصہ مختصر، اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ بعض دشمن تو کھلم کھلا سامنے آئے، اور بعض دوستوں کی شکل بنا کر آئے اسی لئے ہم غیر مسلموں کا بھی ذکر کریں گے۔ اور ان لوگوں کا بھی جنھیں بجا طور پر منافق کہا جاتا ہے، پہلے گروہ میں قریبی رشتے دار بھی شامل ہیں اور اجنبی بھی، عرب بت پرست بھی اور یہودی اور عیسائی بھی۔ ہم مکمل فہرست پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہر گروہ کے چند نمائندوں کا حال مثال کے طور پر بیان کریں گے۔

## ابُولہَب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمنوں میں سے ایک ابولہب تھا جو ساتھ ہی ددھیالی رشتے سے آپ کا چچا بھی تھا، عرب کے معاشرتی دستور کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی کو اپنے قبیلے والوں کی موافقت ہر معاملے میں کرنی چاہئے۔ اچھائی میں بھی اور برائی میں بھی۔ اور اپنے کسی رشتے دار نے چاہے بے انصافی یا ظلم ہی کیا ہو، مگر اس کا ساتھ دینا چاہئے۔ علاوہ ازیں تبلیغ شروع کرنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

لاق کی وجہ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا، مثلاً
ب کے ساتھ مہربانی کا سلوک، بڑوں کی عزت، چھوٹوں
شفقت، محتاجوں پر عنایت۔

مگر اس کے باوجود جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
م لوگوں کو تبلیغ شروع کرنے سے پہلے اپنے کام کی ابتدا اس
یم خداوندی کی تعمیل سے کی ـــــ
اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (سورت ۲۶ - آیت ۲۱۴)
پنے قبیلے اور نزدیک والوں کو ڈراؤ، اور اس مقصد
ے لئے اپنے خاندان والوں کو جمع کیا تو صرف ایک شخص
تھا جو مخالفت کے لئے اٹھا۔ اور ایک لمحہ کے توقف کے بغیر
جل کے کھڑا ہو گیا، اور یہ ابولہب تھا۔

(بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۱۸ - ۱۱۹)

س کی مخالفت میں ذرا کمی نہیں آئی بلکہ اس کے مرنے تک
وز بروز بڑھتی ہی گئی۔ ایسا کیوں ہوا، حالانکہ ہمیں ایسی
کایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ابولہب
یاض، فراخ دل اور ملنسار آدمی تھا۔

(ابن حبیب، مُحبَّر ص ۱۳۷۔ دیوانِ حسان ابن ثابت
نظم ۳۹ برذیلی حاشیہ ص ۱ تا ۵۷)

ہمارے سوال کے لئے مندرجہ ذیل قصہ خاص اہمیت
رکھتا ہے:۔

"انساب" جلد اول صفحہ ۱۳۰ - ۱۳۱) میں بلاذری
نے لکھا ہے ـــــ "ایک دن ابولہب اور ابو طالب میں
جھگڑا ہو گیا، ابولہب نے ابوطالب کو زمین پر گرا دیا،
اور سینہ پر چڑھ کر طمانچے مارنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھا تو آپ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے ابولہب
کا بازو او پر سے پکڑ کے اسے زمین پر گرا دیا۔ اب یہ ہوا کہ ابو
طالب نے اس کے سینے پر چڑھ کے طمانچے لگانے شروع کئے
اس پر ابولہب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے
کہا ـــ "یہ بھی تیرا چچا ہے اور میں بھی تیرا چچا ہوں، پھر
تو نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ خدا کی قسم، اب
میرے دل میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں رہی۔"

ماخذ سے ہمیں نہ تو اس واقعے کی تاریخ معلوم ہوتی
ہے نہ دوسری تفصیلات۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسے زمانے
کا واقعہ ہے کہ جب یہ دونوں بھائی جوان تھے اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ابھی کم عمر تھے۔

## ابوجہل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے "ہمارے زمانے کا فرعون"
کہا کرتے تھے (بلاذری "انساب" ج اول ص ۲۹۹)
اس کا لقب پہلے تو ابوالحکم یعنی "حکمت کا باپ" تھا۔ جو
بعد میں ابوجہل یعنی "جہالت کا باپ" ہو گیا۔ شہر مکہ کی
انتظامی مجلس کی کارروائی میں صرف انہیں لوگوں کو حصہ لینے کا
حق ملتا تھا جن کی عمر چالیس سال یا اس سے زیادہ ہو۔ مگر
ابوجہل کو "رائے کی پختگی اور عقلمندی" کی وجہ سے تیس سال
کی عمر میں ہی رکنیت مل گئی (ابن دُرَید۔ "اشتقاق" ص ۹۷)
ابن حبیب نے اپنی کتاب "منمق" میں (مخطوط لکھنؤ ص ۲۹۶)
اس کا ذکر مکہ کے ان لوگوں کے ضمن میں کیا ہے جو سخاوت
کے لئے مشہور تھے۔ اور مثال کے طور پر یہ قصہ بھی سنایا
ہے (ص ۲۷۱ - ۲۷۲) کہ ایک سال اناج کی کمی پڑی
لیکن زائرین قبیلے یا طبقے کی کسی تفریق کے بغیر" ایک بہت
بڑی اور ٹھاٹ دار حویلی میں داخل ہوتے جس کے دو مختلف
دروازے تھے، تو وہاں انہیں ایک شخص مسند پر بیٹھا ہوا
ملتا۔ گندمی رنگ، چہرے پر ہلکے سے بال، چمکتا ہوا چہرہ
سیاہ جُبّہ میں ملبوس، ہاتھ میں عصا۔ وہاں بھورے رنگ
کی بڑی بڑی قابیں رکھی ہوئیں جن میں اونٹ کے کلیجی گردے
اور کوہان کا گوشت ہوتا" راوی جس کا تعلق سُلیم کے قبیلے
سے ہے آگے قصہ سناتا ہے کہ "ہم سب سے پہلے وہاں داخل
ہوئے اور سب سے آخر میں باہر نکلے۔ میں اپنے بھائی سے
پہلے سیر ہو گیا تو میں نے اس سے کہا ـــ اب تو اُٹھ،

خدا کرے کہ تیرا پیٹ کبھی نہ بھرے! مسند پر جو شخص بیٹھا تھا اس نے یہ سن کر اپنا سر اٹھایا اور کہا "نہیں، جب تک سیری نہ ہو کوئی نہ اٹھے، آخر یہ کھانا اسی لئے تو رکھا گیا ہے کہ لوگ کھائیں، اب میں نے دیکھا کہ یہ شخص بیٹھا ہے۔ ہم دوسرے دروازے سے باہر چلے گئے، اور وہاں ہم نے دیکھا کہ اور اونٹ ذبح ہو رہے ہیں۔ ہم نے لوگوں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ اونٹ بھی اسی عام دعوت کے لئے کاٹے جا رہے ہیں، اور مکان کے مالک کا نام عمرو ابن ہشام ابوالحکم ہے"

اس شخص یعنی ابوجہل کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت نہ ہو سکی۔ اس تضاد کو سمجھنے میں شاید مندرجۂ ذیل دو حکایتوں سے کافی مدد ملے گی۔

(۱) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت سعد ابن وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ قبیلۂ زبید کا ایک یمنی کعبہ شریف کے سامنے پہنچا اور بلند آواز سے فریاد کرنے لگا "قریش کے لوگو، تم کیسے توقع رکھتے ہو کہ کھانے پینے کا سامان اور تجارت کا مال تمہارے یہاں آئے گا؟ تم لوگ تو سامان لانے والوں پر ظلم کرتے ہو" کسی نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی۔ مختلف گروہوں کے پاس سے ہوتا ہوا آخر وہ اس جگہ پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا۔ "تیرے اوپر کس نے ظلم کیا ہے؟"

یمنی نے جواب دیا "ابوالحکم نے۔ وہ تین اونٹ خریدنا چاہتا تھا، اور میرے پاس جتنے اونٹ ہیں ان میں یہ بہترین ہیں۔ میں انھیں خسارے کے ساتھ بیچنے پر راضی نہیں ہوا۔ اب اس کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی انھیں خریدتا ہی نہیں اس نے میرا کاروبار ایسا خراب کیا ہے کہ سنبھلتا ہی نہیں۔ اس طرح اس نے مجھے بڑا نقصان پہنچایا ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ اونٹ کہاں ہیں؟"

یمنی نے جواب دیا کہ — "الحزورہ کے پاس ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اونٹ خرید لئے اور دو اونٹوں کو اتنے داموں میں بیچ دیا جتنے یمنی نے تینوں کے مانگے تھے، پھر آپ نے تیسرا اونٹ بھی بیچ دیا، اور اس کی پوری قیمت عبدالمطلب کے خاندان کی بیواؤں کے لئے عطا فرما دی۔ ابوجہل بھی بازار کے ایک کونے میں کھڑا تھا، مگر وہ بالکل خاموش رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اور فرمایا — "عمرو خبردار جو آئندہ کسی کے ساتھ ایسی حرکت کی جیسی اس بدو کے ساتھ کی ہے! ورنہ مجھے تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرنا پڑے گا جو تمہیں پسند نہیں آئے گا" ابوجہل جواب میں یہ فقرہ بار بار دہراتا رہا — "محمدؐ میں ایسی حرکت پھر کبھی نہیں کروں گا! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے تشریف لے گئے تو امیہ ابن خلف اور دوسرے مشرکین جو وہاں موجود تھے ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے "تم نے محمدؐ کے سامنے ایسی عاجزی دکھائی کہ معلوم ہوتا تھا تم بھی انہی کا دین اختیار کرنے والے ہو" اس نے جواب دیا — "میں تو اس کی پیروی ہرگز نہیں کروں گا لیکن اس وقت تو میں اس کا جادو دیکھ کر دب گیا۔ اس کے دائیں بائیں چند لوگ تھے جن کے ہاتھ میں نیزے تھے اور وہ اپنے نیزے ہلا ہلا کر مجھے دھمکا رہے تھے، اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو بس میرا کام تمام تھا" (بلاذری "انساب" جلد اول ص ۱۳۰)

(۲) روایت ہے کہ عراشہ قبیلے کا ایک آدمی اپنے

...ونٹ لیکر مکہ آیا، ابوجہل نے اونٹ خرید لئے مگر پیسے دینے میں
...یر کی۔ یہ شخص قریش کی چوپال (نادی) میں پہنچا اور کہنے لگا
"قریش کے لوگو، میں غریب الوطن اور مسافر ہوں
ابوالحکم نے مجھ سے اونٹ خریدے ہیں لیکن پیسے دینے میں دیر لگا
رہا ہے اور خواہ مخواہ میرا راستہ کھوٹا کر رہا ہے، اس سے مجھے بڑا
نقصان پہنچ رہا ہے۔ تم لوگوں میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو میرے
ساتھ اس کے پاس چلے اور میرے جو دام اس پر واجب ہیں
وہ اس سے دلوا دے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف
کے صحن کے ایک کونے میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے بطور
تمسخر اس تاجر سے کہا۔ "وہاں جو آدمی بیٹھا ہے اسے دیکھتے
ہو؟ اس کے پاس جاؤ۔ تمہارے جو دام واجب ہیں انہیں
بس یہی شخص وصول کرا کے دے سکتا ہے۔"

تاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر
ہوا اور عرض کیا۔ "اے محمدؐ، میں غریب الوطن مسافر
ہوں۔" پھر اپنا پورا قصہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اٹھ کر اس کے ساتھ ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور دروازہ
کھٹکھٹایا۔ اس نے اندر سے پوچھا۔ "کون ہے؟"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ہوں محمدؐ ابن عبداللہ
ذرا باہر آؤ۔" وہ دروازہ کھول کے باہر آیا تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ "اس شخص کے تم پر جو
دام واجب ہیں وہ ادا کر دو۔" اس نے کہا۔ "اچھا۔" رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب تک تم اسے دام
نہیں دو گے میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔" ابوجہل گھر میں
گیا، اور جتنے پیسے واجب تھے وہ لا کر اس شخص کو دیدیئے۔
اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے
تاجر پھر قریش کی چوپال میں آیا اور بولا۔ "اللہ محمدؐ کو جزائے
خیر دے۔ انہوں نے بڑی آسانی سے میرا حق مجھے دلوا دیا"
یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ اس کے بعد جب ابوجہل چوپال میں پہنچا
تو لوگوں نے اس سے کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ خدا کی قسم
ہم نے تو اس آدمی کو محمدؐ کے پاس صرف اس لئے بھیجا تھا
کہ ہم اس سے مذاق کرنا چاہتے تھے۔" ابوجہل نے جواب
دیا۔ "بس رہنے دو۔ خدا کی قسم، جیسے ہی اس نے میرا دروازہ
کھٹکھٹایا میرے تو حواس باختہ ہو گئے۔ میں اس سے ملنے
کے لئے باہر نکلا تو اس کے ساتھ ایک ایسا اونٹ تھا کہ ایسا
میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ کتنے کا سا سر اور دانت، کھلا ہوا
منہ جیسے لپکنے والا ہو۔ خدا کی قسم، اگر میں بات ماننے سے انکار
کرتا تو وہ مجھے چبا ڈالتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس آدمی
کے دام فوراً ادا کر دیئے۔" لوگوں نے کہا۔ "یہ بھی محمدؐ کا
جادو ہے۔" (ابن ہشام، "سیرت" صفحہ ۲۵۷۔ بلاذری
"انساب" جلد اول ص ۱۲۸ - ۱۲۹)

ابوجہل سے کسی دوست نے انکار اسلام کا سبب پوچھا
تو کہا۔ "پرانے زمانے میں جب کبھی قبیلہ بنی ہاشم نے
کوئی قابل فخر کام کیا تو میرے قبیلہ نے بھی ویسا ہی یا اس سے
بڑھ کر کارنامہ دکھایا، فیاضی دکھائی، غربا پروری کی
وغیرہ وغیرہ۔ اب وہ فخر کرتے ہیں ان میں خدا نے ایک رسولؐ
مبعوث کیا ہے۔ اس کا بھلا اب میرا قبیلہ کہاں مقابلہ کر سکتا
ہے اور جوابی پیغمبر پیدا کر سکتا ہے؟ نہیں، میں اسے
کبھی نہیں مانوں گا کہ بنی ہاشم کو یہ فخر حاصل ہوا ہے۔" اس
قصے سے معلوم ہوگا کہ کم ظرفانہ غرور اس کی عداوت کا باعث تھا

## ابن اُبَیّ

مدینے میں دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج، جن کے درمیان قرابت
تو تھی لیکن رقابت بھی شدید تھی پچھلی کئی نسلوں سے ان کے
درمیان خونریز جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ابن اُبَیّ خزرج قبیلے
کا تھا۔ ابن ہشام (مذکورہ بالا کتاب ص ۱۱۴) لکھتے ہیں
"اسلامی دور شروع ہونے تک نہ تو ابن اُبَیّ سے پہلے اور
نہ اس کے بعد اوس اور خزرج میں اتنی موافقت کبھی نہ ہو سکی
کہ دونوں ایک ہی شخص کی اطاعت کریں۔ اس معاملہ میں
اگر کوئی استثناء ہے تو خود ابن اُبَیّ؛ اتنی مقبولیت اس وقت

تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کسی آدمی میں کردار کی بلندی، بغیر جانب دارانہ انصاف پسندی وغیرہ خوبیاں نہ ہوں۔ اس کے باوجود اسلامی تاریخ میں ابن اُبَی کو "منافقوں کی جماعت کا سردار" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مدینے کے کسی اور شخص کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی پریشانی نہیں اٹھانی پڑی جتنی اس کی طرف سے۔ ابن ہشام (ص ۷۳۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ معاملہ افک میں بہتان طرازی کی سب سے زیادہ ذمہ داری ابن ابی پر تھی۔ عمر بھر اس کی یہی کوشش رہی کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو۔ کیوں؟ شاید مندرجۂ ذیل واقعہ اس کا سبب ہو:۔

بہت سے ماخذ کے بقول جن میں بخاری (صحیح، ۲۰۱۵۹) طبری (تفسیر سورت ۶۳ آیت ۸، "تاریخ" جلد اول ص ۱۵۱۱) ابن ہشام ("سیرت" ص ۴۱۳، ۷۲۷) اور سُہیلی ("روض الانف" جلد دوم ص ۵۱) بھی شامل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لانے سے ذرا ہی پہلے لوگوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ابن اُبَی کو مدینے کا بادشاہ بنا دیا جائے بلکہ سناروں سے اس کے لئے ایک تاج بنانے کے لئے بھی کہہ دیا گیا تھا، جب مدینے والوں نے اسلام قبول کر لیا تو یہ تجویز یوں ہی رہ گئی۔

## الجدّ ابن قیس

ابن حبیب ("محبّر"، ص ۴۶۹) اور ابن ہشام (سیرت ص ۳۶۰ اور ۴۹۸) قبیلۂ خزرج کے الجدّ ابن قیس کا شمار منافقوں میں کرتے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں (سورت ۹ آیت ۴۹) یہ اسی کا قول نقل ہوا ہے ــــ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي (مجھے اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے)

اُس نے جو حرکتیں کیں ان کی وجہ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ نظر میں رکھیے ابن ہشام ("سیرت" ص ۳۰۹) اور بلاذری ("انساب" جلد اول ص ۲۴۲) یہ قصہ سناتے ہیں۔ ہجرت سے ذرا پہلے العقبہ کی مشہور و معروف مجلس میں بہتر آدمیوں نے حلف اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینے والوں کی بارہ جماعتیں تھیں، حضورؐ نے ہر ایک کے لئے سردار مقرر فرمایا۔ قبیلہ بنو سَلمہ کے بارے میں ہمارے ماخذ (ابن سعد) بتاتے ہیں کہ اس قبیلے کا نقیب یعنی سردار بشر ابن البراء ابن معرور ہوا تھا۔ اس کی نامزدگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا ــــ "آج کل تمہارا سردار کون ہے؟" انھوں نے کہا ــــ "الجدّ ابن قیس، حالانکہ یہ شخص لالچی بہت ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ــــ "لالچ سے بڑا عیب اور کونسا ہو سکتا ہے؟ تمہارا سردار یہ گندمی رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا آدمی بشر ابن البراء ہوگا"۔

## عیسائی راہب ابو عَمیر

ابو عَمیر کا تعلق مدینے کے دوسرے قبیلے یعنی اوس سے تھا[1]۔ اس کا بیٹا حنظلہ بڑی جلدی اسلام لے آیا تھا۔ وہ بالکل نوجوان تھا، اور اس نے اپنی دلہن کے ساتھ صرف ایک ہی رات گزاری تھی، اسے غسل کرنے کا وقت بھی نہیں ملا اور وہ سیدھا جا کے جنگِ اُحد میں شریک ہوا، اور صبح سویرے ہی شہید ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے "غسیل الملائکہ" کا خطاب عطا فرمایا (یعنی جس شخص کو فرشتوں نے غسل دیا ہو) اس کا باپ ابو عَمیر بھی دوسری جانب سے جنگ میں شریک تھا، اور اہم خدمات اس کے سپرد تھیں۔ جنگ کے بعد وہ اپنے بیٹے کی لاش کے پاس گیا، اور (بقولِ بلاذری، "انساب" جلد اول ۳۲۹) کہا ــــ "اسی لئے تو میں تجھے اس شخص (یعنی رسول اللہ

[1] دیکھیے میرا مضمون "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل" جلد ۷، شمارہ ۱، ۱۹۵۹ء ص ۲۳۱ تا ۲۴۰

صلی اللہ علیہ وسلم) سے دور رکھتا تھا، اور ایسی ہی موت سے تجھے ڈراتا تھا۔ خدا کی قسم تیرے طور طریقے کیسے شریفانہ تھے اور تو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیسی اچھی طرح پیش آتا تھا"
اگر اچھے عادات واطوار اچھی تربیت کا نتیجہ ہیں، اور اگر اچھی تربیت وہی والدین دے سکتے ہیں جو خود بھی اچھے اخلاق رکھتے ہوں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ابو عمیر بھی بلند کردار کا مالک اور قابلِ عزت آدمی ہوگا۔ بہر حال اس میں ذہنی تجسس تو تھا ہی۔ حالانکہ وہ بت پرستوں کے خاندان میں پیدا ہوا تھا، لیکن (بقول بلاذری "انساب" جلد اول: ۲۸) وہ اہل کتاب سے مل کر ان سے مباحثے کیا کرتا تھا، اور عیسائی راہبوں کی طرف وہ خاص طور سے مائل تھا۔ اسی لئے اس نے راہبوں سے ملنے کی خاطر کئی دفعہ شام اور فلسطین کا سفر کیا تھا۔ مذہب سے اتنے شغف کے باوجود پھر یہ کیسے ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موافقت نہ کرسکا، اور عیسائی راہب ہونے کے باوجود اس نے تلوار اٹھائی، باقاعدہ لڑائیوں میں حصہ لیا اور مرتے دم تک مخالفت پر اڑا رہا؟

ہیثم ابن عدی نے جو تاریخ لکھی تھی وہ تو اب ضائع ہوچکی ہے، لیکن اس کا ایک معنی خیز اقتباس ہمیں بلاذری کے یہاں ملتا ہے۔ ("انساب" ج اول ۲۸۲)

وہ لکھتے ہیں ــ "ابو عمیر خود بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع فرمائی اور آپ کو کامیابی حاصل ہونے لگی تو ابو عمیر کے دل میں بڑا حسد پیدا ہوا" ابن ہشام ("سیرت" ص ۴۱۱ - ۴۱۲) کے یہاں بھی چند دوسری تفصیلات ملتی ہیں جن کا تعلق اسی بات سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ابو عمیر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس موقع پر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی :-

ابو عمیر ــ یہ کونسا دین ہے جو تم لیکر آئے ہو؟
رسول اللہؐ ــ دین حنیف۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین۔
ابو عمیر ــ لیکن یہ تو میرا دین ہے۔
رسول اللہؐ ــ نہیں ہرگز نہیں۔
ابو عمیر ــ ضرور ہے۔ محمدؐ تمہیں نے اس دین میں ایسی چیزیں شامل کی ہیں جو اس میں نہ تھیں۔
رسول اللہؐ ــ ہرگز نہیں، بلکہ میں تو اس دین کو بغیر کسی آمیزش کے خالص ترین شکل میں لے کر آیا ہوں۔
ابو عمیر ــ اچھا تو جو بھی جھوٹا ہو اسے اللہ پردیس میں عزیز واقارب سے دور موت نصیب کرے۔
رسول اللہؐ ــ بالکل ٹھیک ہے، جو بھی جھوٹ بول رہا ہو اسے اللہ تعالیٰ ایسی ہی موت نصیب کرے۔

اور ایسی موت ابو عمیر کو نصیب ہوئی۔

اپنی فرانسیسی تصنیف "محمدؐ اور دنیا کا خاتمہ" میں کاسانووا (CASANOVA) لکھتا ہے (ص ۲۶)

"بہر حال ہمارے اس خیال کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں (یحییٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرح۔ جلد اول ۱۹ - ۲۸) عیسائیوں کو پیغمبر کے آنے کا پورا یقین تھا، عرب روایت تو شاید جانب داری کی وجہ سے اس معاملہ میں خاموش ہے لیکن پیغمبر کے آنے کا مسیح کی واپسی اور یوم حساب سے لازمی اور گہرا تعلق تھا" ہیثم ابن عدی کی حکایت پر شبہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ بہت سی حکایتیں موجود ہیں (ابن حبیب "محبّر" ص ۱۳۰ - بلاذری: "انساب" جلد اول ۵۳۸) جو اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ تمیم کے علاقے میں، کنانہ اور سلیم کے یہاں، یمن اور مدینہ وغیرہ میں آخری پیغمبر کے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔

## یہودی کعب ابن الاشرف

وہ مدینے کے قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا، ابن ہشام (سیرت" ص ۵۵۲) کے بقول، ایک رات کسی نے اُسے آواز دی۔ وہ سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ نیچے مت جانا مجھے اس آواز میں کچھ شرارت محسوس ہوتی ہے مگر اس نے کپڑے بھی نہ پہنے، بس ایک چادر اوڑھ لی اور بولا ——— "اگر کسی بہادر آدمی کو باہر بلایا جائے تو چاہے نیزے کا وار ہی کیوں نہ کھانا پڑے لیکن وہ انکار نہیں کر سکتا"۔ یہی مصنف کہتا ہے (صفحہ ۳۵۱) کہ اس شخص کا باپ قبیلۂ بنہان سے تھا جو قبیلۂ طے کی ایک شاخ ہے، لیکن اس کی ماں مدینے کے نضیری قبیلے کی تھی بنہان قبیلے میں یہودی بھی شامل تھے یا نہیں؟ بہر حال غیر قبیلے کا ہونے کے باوجود وہ بنو نضیر کا سردار اور ان کی عدالت کا سربراہ بن گیا۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی ذہنی صلاحیتوں کا مالک تھا۔

مگر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موافقت نہ کر سکا۔ بلکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ اتنا دل فگار ہوا کہ اس نے اسلام کے دشمنوں کی بہادری اور ان کی خوبیوں کی مدح میں اشعار کہے۔ پھر وہ خاص طور سے مکہ گیا اور وہاں کے لوگوں کو انتقامی جنگ کے لئے اُبھارا۔ آخر اتنی نفرت اس کے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ مندرجہ ذیل واقعہ دیکھئے جو خاصا معنی خیز ہے۔

ابن ہشام (سیرت" ص ۳۹۷)؛ ابن کثیر (تفسیر جلد دوم ۶۰) اور دوسرے مصنفوں کے بقول مدینے کے یہودیوں میں مختلف قبیلوں کے درمیان مساوات نہیں تھی۔ مگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنو نضیر کے آدمی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو قاتل کو خونبہا کی مقررہ مقدار کی صرف آدھی رقم دینی پڑتی، لیکن اگر معاملہ الٹا ہوتا تو قریظہ کے آدمی کو دگنی رقم مقتول نضیری کے رشتہ داروں کو دینی پڑتی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں اسلامی حکومت قائم کی اور یہودیوں کی مختلف جماعتیں بھی وفاقی وحدتوں کے طور پر اس میں شامل ہو گئیں تو حضورؐ نے حقوق اور فرائض کے معاملے میں یہودیوں کے درمیان بھی مساوات کا اصول جاری فرما دیا۔ مُقاتل نے اپنی تفسیر میں (مخطوطہ استانبول) سورہ ۵ کی آیت ۴۲ کے ضمن میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قتل کا ایک مقدمہ پیش ہوا تو آپؐ نے حکم فرمایا کہ مجرم نضیری خونبہا کی مقررہ رقم پوری ادا کرے۔ اس پر نضیریوں کا سردار کعب ابن الاشرف جو اپنے قبیلے کی عدالت کا سربراہ بھی تھا، اور اس حیثیت سے کچھ وظیفہ بھی پاتا تھا، بگڑ بیٹھا اور چیخ کر بولا ——— نہیں، ہم تمہارا فیصلہ قبول نہیں کرتے اور نہ آئندہ قبول کریں گے۔ ہم تو اپنے پرانے رسم و رواج ہی پر چلیں گے"۔

---

بقیہ "روزہ"

ہمارے اعمال سے غنی ہے اس نے روزہ جو ہم پر فرض کیا ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس طرح اس تصور کی جڑ کٹ جاتی ہے جو بت پرستوں اور اہل کتاب میں عام تھا تعلّ۔ توقع اور امید کے معنی میں آتا ہے، اور یہ توقع و امید مخاطبین کے اعتبار سے ہے متکلم کے اعتبار سے نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے متقی بنانے کا سامان تیار کر دیا ہے، اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا کر متقی بنتے ہو یا نہیں۔ جو شخص روزہ کے پورے حقوق و آداب سرانجام دے گا اور عبادت کی نیت اور جذبہ ایمان سے اس اہم عبادت کی ادائیگی کرے گا اس کا روزہ اس کو متقی اور پرہیزگار بنا دے گا اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کو سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

# روزہ میں عبادت کا مقام

## (ایک نشری تقریر)

روزہ ایک ایسا مفید عمل ہے کہ اس کے مفید و نافع ہونے پر حکماء و اطباء، اور ہر مذہب و ملت کے ماننے والے متفق ہیں، نقطۂ نظر اپنا اپنا علیحدہ ہے۔ حکیم ڈاکٹر روزہ کو اس لئے مفید بتاتے ہیں کہ وہ بدن انسانی کی صحت کا اور سیکڑوں امراض سے حفاظت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اہل مذاہب اس کو اس لئے مفید کہتے ہیں کہ وہ روحانی تندرستی کا بہترین ضامن اور انسان کا گناہوں سے تنقیہ کرنے میں نسخۂ اکسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا آباد ہے ہر مذہب و ملت میں روزہ کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے گو اس کی صورتیں مختلف مذاہب میں مختلف ہیں اس کی بڑی وجہ شاید یہ ہے کہ روزہ جس طرح خود ایک عظیم عبادت اور غیر محدود ثواب کا موجب ہے اسی طرح وہ انسان کو دوسری عبادات کے قابل بنانے اور ان کے لئے مہیا کرنے میں ایک خاص اثر رکھتا ہے جس کا جی چاہے یہ کرے کہ ایک گناہ کے چھوڑنے کی کوشش انسان کرتا رہتا ہے کامیابی نہیں ہوتی۔ لیکن روزہ کی حالت میں اس پر قابو پانا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ جو عبادت ہمیشہ بھاری نظر آتی ہے روزہ میں قدرتی طور پر آسان ہو جاتی ہے۔ مشاہدہ ہے کہ وہ لوگ جو گیارہ مہینہ کی عبادت سے کوئی ذوق نہیں رکھتے۔ نماز فرض ادا کرنا بھی انھیں دوبھر نظر آتا ہے۔ رمضان میں روزہ کی برکت سے وہ نہ صرف فرض نماز کے پابند ہو جاتے ہیں بلکہ تراویح جیسی طویل اور مشکل نماز کو ذوق و شوق سے ادا کرنے لگتے ہیں۔

اگر عبادت کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو روزہ کے ساتھ اس کا جوڑ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔ دیکھئے عبادت کے معنی ہیں بندگی۔ اور بندگی اسی کا نام ہے کہ اپنے آپ کو اپنے آقا کے سپرد کر دے کہ اس کے حکم کا منتظر رہے جب بھی جس طرح کا حکم ملے اس کو بجا لائے ؎

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن حیراں بودن

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ یہ سب عبادات کی مختلف صورتیں ہیں لیکن حقیقت عبادت جو سب میں مشترک ہے وہ یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کیلئے تیار کر دے اور اس کے سپرد کر دے۔ جیسا حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السّلام کو حکم ہوا۔

اذ قال لہ ربہ اسلم قال
اسلمت لرب العالمین۔

جب حضرت ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا
کہ فرمانبردار ہو جاؤ تو انھوں نے عرض کیا
کہ میں رب العالمین کا تابع فرمان ہوں

عبادت کی یہ حقیقت تمام شرائع و مذاہب میں ہمیشہ
ساں رہتی ہے اس کی صورتیں بدلی بھی جا سکتی ہے، کم و
یش بھی کی جا سکتی ہیں۔ قرآن کریم نے خود اس حقیقت کو واضح
رنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل
المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن
باللہ الآیۃ

یعنی اصل عبادت یہ نہیں کہ تم مشرق کی طرف
رُخ کر دو یا مغرب کی طرف بلکہ اصلی عبادت
اللہ پر ایمان اور اس کی اطاعت ہے۔

حقیقت عبادت واضح ہو جانے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ
بادات میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ یا نئی صورت گھڑنا
س کو اصطلاح میں بدعت کہا جاتا ہے اگرچہ صورت عبادت
ی ہے، مگر حقیقت میں وہ عبادت نہیں کیونکہ وہ اپنی تجویز
ہے، فرمان الٰہی کی پیروی نہیں۔ حدیث میں اس کو گمراہی
ور موجب عذاب قرار دیا ہے۔ کوئی شخص ظہر کی رکعتیں
جار کے بجائے پانچ یا مغرب کی چار ادا کرے یا اذان و اقامت
یں اپنی طرف سے اور کچھ کلمات بڑھا دے تو اگرچہ بظاہر
س نے عبادت اور نیکی میں زیادتی کی ہے لیکن حقیقت اس کے
خلاف ہے کہ اس نے اپنی پہلی نیکی کو بھی برباد کر دیا۔ وجہ
وہی ہے کہ اس نے اپنے نفس کو تابع فرمان نہیں رکھا۔
اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت بندگی اور
اپنے نفس کو مرضیٔ مولا کے سپرد کرنا ہے تو اب یہ معلوم کرنا
بھی کچھ مشکل نہیں رہا کہ روزہ اس میں سب سے بڑا معین
و مددگار ہے۔ کیونکہ بندگی اور تابعداری سے انسان کو
روکنے والی چیز اس کی نفسانی خواہشات کا غلبہ ہے۔ اور

روزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ ایک معین وقت کے لئے
خواہشات نفسانی کو ترک کیا جائے۔ اور جب کوئی شخص معین
اوقات میں خواہشات نفسانی پر قابو پا سکتا ہے تو اس کو
دوسرے اوقات میں بھی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا آسان
ہو جاتا ہے۔ اس لئے روزہ دار کے لئے عبادت آسان ہو جاتی
ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد
فرمایا ہے کہ جس شخص کا رمضان سلامتی سے گذر جائے اس کا
سارا سال سلامتی سے گذرے گا۔ یعنی جو شخص رمضان میں
گناہوں سے بچ گیا تو باقی گیارہ مہینوں میں بھی اس کیلئے
معاصی سے بچنا آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم نے جہاں روزہ فرض ہونے کا ذکر کیا ہے
اس کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ روزہ رکھنے سے تقویٰ و
پرہیزگاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم
الصیام کما کتب علی الذین من
قبلکم لعلکم تتقون۔

اے ایمان والو تم پر روزے اسی طرح فرض
کئے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے
گئے تھے تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔

اور خاصکر ماہ رمضان اور اس کے صیام و قیام کو انسان کی
باطنی اور روحانی پاکی میں بڑا دخل ہے۔ اللہ جل شانہ نے اپنا
کلام قرآن مجید نازل کرنے کے لئے اسی ماہ مبارک کو منتخب
فرمایا بلکہ پچھلی تمام آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں
نازل ہوتی رہی ہیں۔

حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے
شعبان کی آخری تاریخ میں ایک خطبہ دیا جس میں رمضان
المبارک کے متعلق خصوصی احکام و فضائل کا بیان فرمایا
ہم اس طویل حدیث کا خلاصہ اردو زبان میں عوام کے
فائدہ کے لئے بیان کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم پر

ایک عظیم الشان مبارک مہینہ آرہا ہے جس میں ایک رات
ایسی آئے گی جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہوگی یعنی اس
رات کو عبادت میں مشغول رہنا ایسا ہوگا جیسے کوئی شخص ایک
ہزار مہینے یا اس سے بھی زائد عبادت میں مشغول رہا ہو۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اس ماہ مبارک میں کوئی نفلی
عبادت ادا کرتا ہے وہ فرض کی برابر ثواب اور درجہ رکھتا ہے
اور جو فرض عبادت ادا کرتا ہے وہ ستر فرضوں کے برابر
ثواب پاتا ہے۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر
کا بدلہ جنت ہے، کبھی اگر روزہ سے کچھ تکلیف پیش آئے تو
اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے، شور و شغب
نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ ماہ رمضان ہمدردی و غمخواری کا مہینہ
ہے۔ یعنی مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس ماہ مبارک میں اپنے
عزیزوں، دوستوں اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی
و غمخواری کا سلوک کریں ان کی حاجت پورا کرنے کی کوشش
کریں۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بھوکے کو روٹی کھلائے یا
ننگے کو کپڑا پہنائے یا مسافر کو شب باشی کی جگہ دے اللہ
تعالیٰ اس کو قیامت کے اہوال (خوفوں) سے پناہ دیں گے

پھر فرمایا کہ اس ماہ مبارک میں مسلمان کا رزق بڑھتا
ہے، جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے اس کو بھی
اس کے روزہ کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار
کے اجر میں کوئی کمی کی جائے۔

پھر فرمایا کہ جو شخص رمضان المبارک میں اپنے
غلام یا نوکر پر کام ہلکا کردے تاکہ اس کو روزہ رکھنا آسان
ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے اور جہنم
سے اس کو نجات دیں گے۔ اسی لئے سلف صالحین
اور اللہ کے نیک بندوں کی ہمیشہ یہ عادت رہی ہے کہ
ماہ رمضان میں نوکروں سے زیادہ محنت کا کام نہیں لیتے
پھر ارشاد فرمایا کہ رمضان میں چار چیزوں کی پابندی
لازمی سمجھو۔ ایک کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی کثرت، دوسرے
استغفار، تیسرے حصول جنت کے لئے دعاء، چوتھے جہ
پناہ مانگنا۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعاء رد نہیں
ہوتی، ایک روزہ دار۔ دوسرے بادشاہ عادل، تیسرے
مظلوم کی دعاء۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فرمایا ہے کہ رمضان المبارک کی ہر رات میں اللہ تعا
کی طرف سے ایک منادی پکارتا ہے کہ اے نیکی کے طا
متوجہ ہو اور آگے بڑھ۔ اور اے برائی کے طلبگار بس
اور آنکھیں کھول، اس کے بعد وہ منادی فرشتہ کہ
ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا تاکہ اس کی مغفر
کی جائے، ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ اس کی توبہ قبو
کی جائے۔ ہے کوئی دعاء کرنے والا کہ اس کی دعاء ق
کی جائے۔ ہے کوئی حاجت مانگنے والا جس کی حاج
پوری کی جائے۔

مسلمانو۔ یہ رمضان کے چند لمحات ہیں ان ک
قدر کیجئے، پچھلے گناہوں سے توبہ و استغفار او
آئندہ کے لئے احتیاط و پابندی کا عزم پختہ کرلیجے ا
ایک مرتبہ ہمت کرکے عمل شروع کردیجئے پھر دیکھ
کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کیسی مدد پہنچتی ہے۔

---

حدیث: بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے حرام
کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت وغیرہ کرنے کی وجہ س
پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گذار ایسے
ہیں جن کے لئے ریاکاری کی وجہ سے جاگنے کے سوا کچھ نہیں

(رواہ عن ابی ہریرہ)

مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی
استاذ مدرسہ عربیہ ۔ نیو ٹاؤن کراچی

# روزہ

## قرآنِ کریم کی روشنی میں

ن کریم

یا ایہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ایامًا معدودات فمن کان منکم مریضًا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر و علی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیرًا فھو خیر لہ و ان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔

(۱) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ، تھوڑے دن روزہ رکھ لیا کرو۔ پھر جو شخص تم میں بیمار یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ ہے کہ وہ ایک غریب کو کھانا کھلائیں، اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

(۲) شہر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینات من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ و من کان مریضًا او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر یرید اللہ بکم الیُسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون ۔

ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے سختی کرنا نہیں چاہتا اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے

تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا
اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار رہو۔

(۳) واذا سالک عبادی عنی فانی قریب
اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا
لی ولیومنوا بی لعلھم یرشدون ۔
(البقرہ ع ۷ پ ۲)

اور اے نبی میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق
پوچھیں تو انھیں بتا دو کہ میں ان سے قریب
ہی ہوں، جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار
سنتا اور جواب دیتا ہوں لہذا انھیں چاہئے کہ
میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں
یہ بات تم انھیں سنادو شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

یہ آیات کریمہ سورۂ بقرہ کی ہیں جو بالاتفاق مدنی سورت
ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے پہلے حصہ میں روئے سخن منکرین قرآن
کی طرف ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی حقانیت ثابت
کی اسی کے ساتھ اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فرقوں
کا ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، بعد ازاں بنی اسرائیل
پر انعامات خداوندی کو بیان فرمایا وہاں سے قبلہ کی بحث چلی
اس کو بیان کرکے صفا و مروہ کے ذکر پر ختم کیا، اس حصے کے
آخر میں شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا۔

دوسرے حصے میں زیادہ تر خطاب مسلمانوں اور قرآن
کریم کے ماننے والوں سے ہے، قرآن کریم کے ماننے والوں کو تعلیم
و ہدایت سے آراستہ کیا جارہا ہے۔ اس تعلیم و ہدایت کا عنوان
"بِرّ" ہے جو تمام ظاہری و باطنی طاعات کو شامل ہے، سب سے
پہلے "بِرّ" کے اہم اصول بیان فرمائے اس کے بعد "بِرّ"
کے فروع و جزئیات کو بیان فرما کر اس حصے کو بشارت و وعدۂ
رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔

فروع و جزئیات پر ترتیب سے پہلا حکم قصاص کا ہے
دوسرا وصیت کا تیسرا روزہ کا ۔ روزہ کی فرضیت کے سلسلہ
میں سب سے پہلی آیت یہی ہے، ارشاد فرمایا۔
یاایھا الذین امنوا (اے ایمان والو) اس طرح خطا
کرکے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ کے جذبہ ایما
کو بیدار کیا جارہا ہے کہ تم پر ایک اہم ترین عبادت فر
کی جارہی ہے اس لئے تم اس عبادت کو جذبہ ایمان
سے ادا کرنا اور اس عبادت کے حقوق و آداب کی پوری
نگہداشت رکھنا۔ کتب علیکم (تم پر فرض کیا گیا، لا
کیا گیا، لکھدیا گیا) "کُتِبَ" کتابت سے ماضی مجہول کا صیغہ
کتابۃ کے معنی جمع کرنے، جوڑنے اور لکھنے کے ہیں، پھر کبھی
اس لفظ کو بولکر اس سے کسی چیز کو لازم کرنا، ثابت کرنا
کرنا مراد لیا جاتا ہے، امام راغب نے کہا کہ کتابۃ آخری
درجہ ہے۔ پہلا درجہ ارادہ ہے، پھر قول، تیسرا اور آخ
درجہ "کتابۃ" ہے۔ اس لئے کتب کے لفظ میں "فرض" سے
تاکید اور زور ہے، اس اہم ترین عبادت کے لئے تاکی
لفظ کا استعمال اس لئے ہے کہ لوگ اس عبادت سے فرا
اختیار نہ کریں اور جس طرح اس کی فرضیت نہایت تاکید
کیگئی ہے اسی طرح اس کی ادائیگی بھی نہایت اہتمام اور ظ
و باطن کی ہم آہنگی سے ہو، جیسا کہ ابھی عرض کیا "کُتِبَ"
ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ فاعل ظاہر نہیں کیا گیا، یعنی یہ نہ
فرمایا گیا کہ اللہ تعالےٰ نے تم پر فرض کیا کیونکہ فرض کر
والا اللہ تعالےٰ ہی ہے خواہ اس کو ظاہر کیا جائے یا نہ
صاحب "البحر المحیط" نے اس سلسلہ میں ایک لطیف نکتہ بیا
فرمایا ہے:

اس آیت اور اس سے پہلے قصاص، وصیت
کی آیات میں تینوں جگہ فعل مجہول ذکر فرمایا
کیونکہ یہ تینوں حکم سخت اور مشکل ہیں، اس لئے
اللہ تعالےٰ نے جس کی رحمت اس کے غضب
پر غالب ہے ظاہری طور پر صراحتاً اپنی طرف
نسبت نہیں کی۔ برخلاف ایسے امور کے

جن میں راحت بشارت ہے ان کی طرف صراحتاً اپنی نسبت کی چنانچہ فرمایا کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (تمہارے رب نے اپنے پر رحمت لکھ لی ہے) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (اللہ تعالیٰ نے یہ امر لکھ لیا ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو غلبہ حاصل ہوگا) سوال ہوا کہ یہود پر قصاص کی فرضیت کو اللہ تعالیٰ نے جب بیان فرمایا ہے تو وہاں فعل مجہول استعمال نہیں فرمایا بلکہ فعل معروف استعمال فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے وکتبنا علیھم ان النفس بالنفس (اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان) اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے تھے اس لئے وہاں صراحت کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ اپنے اعمال بد کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے کہ احکام شاقہ دیتے وقت اغماض کا برتاؤ کیا جائے۔[1]

الصیام (روزہ) صیام، صام (فعل) کا مصدر ہے جیسے قام کا قیام، صوم، صیام کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے کے ہیں، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا بات چیت ہو یا چلنا پھرنا ہو، اسی لئے جو گھوڑا نہ کھائے اور نہ چل سکے اس کو "فرس صائم" کہا جاتا تھا۔ پانی نکالنے کی چرخی اگر چل نہ سکے تو اس کو "بکرۃ صائمۃ" کہتے تھے، اسی طرح ہوا اگر رک جائے اور چلنا بند کردے تو اس کو "الریح الصائمۃ" کہا جاتا تھا۔ ٹھیک دوپہر کا وقت جب سورج خط نصف النہار پر آجائے ایسے مواقع پر کہا کرتے تھے "صام النہار"[2] ہم لغوی معنی کی وضاحت ذرا تفصیل سے اس لئے کر رہے ہیں تاکہ اسکی لغوی حقیقت واضح ہوسکے کیونکہ شریعت لغوی معنی اور اس کی نزاکتوں کو برقرار رکھ کر صرف قیود و شرائط کا اضافہ کرتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رح کے فقہی ذوق نے تو لغوی معنی کو بڑی اہمیت دی ہے اور آپ نے بہت سے احکام لغوی اشارات سے ثابت کئے ہیں، تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

روزہ شرعی یہ ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب تک کھانے پینے، جنسی تعلق سے نیت کے ساتھ اجتناب رکھنا لغوی اشارات کو شرعی معنی کے ساتھ ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ صحیح اور کامل روزہ وہ ہے کہ جس میں کھانے پینے اور جنسی تعلق کے پرہیز کے ساتھ ہی ساتھ بری باتوں اور بری جگہ چلنے پھرنے سے بھی پرہیز کیا جائے، اور اس طرح اپنے قلب و نظر میں روزہ کے روحانی مہر جہاں تاب کی روشنی جذب کی جائے جب وہ ٹھیک دوپہر کے وقت اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ جلوہ فگن ہوتا ہے اور گناہوں کے معاملہ میں اس طرح سخت ہوجائے جس طرح چرخی سخت ہو کر گھومنے سے انکار کردیتی ہے، اگر اس طرح روزہ رکھ لیا جائے تو اس کے روحانی فوائد ظاہر ہوں گے، اور بشارت و رحمت الٰہی کی ہوائیں چلنا شروع ہوجائیں گی۔ اور معاصی و ذنوب کی باد صرصر ہمیشہ کے لئے رک جائے گی۔

کما کتب علی الذین من قبلکم (جس طرح کہ تم کو پہلے لوگوں اور امتوں پر فرض کیا گیا) اس سے معلوم ہوا کہ روزہ مذاہب و ادیان کی قدیم ترین عبادت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ روزہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض کیا گیا تھا،[3] مذاہب کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب سماوی اور غیر سماوی میں روزہ کی عبادت جاری رہی، بت پرستوں تک میں روزہ ایک عبادت کی حیثیت سے معروف ہے موجودہ توریت میں صراحتاً تو روزہ کا حکم نہیں ملتا البتہ روزہ داروں کی مدح و توصیف بار بار ملتی ہے، ایک جگہ یہ بھی لکھا

---

[1] البحر المحیط ص ۲۹ ج ۲ [2] تفسیر کبیر ص ۱۶۸ ج ۲ [3] کشاف ج ۱ ص ۲۵۴

ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقعہ پر چالیس روزے رکھے تھے، جس کی یادگار میں یہودی اب بھی ایک ہفتہ روزہ رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے یہاں ساتویں مہینہ کی دس تاریخ کو دن رات کا روزہ بھی فرض ہے غالباً یہ عاشورا کا روزہ ہے، ان کے علاوہ ان کے یہاں کچھ اور بھی روزے ہیں جو صرف دن کے وقت رکھے جاتے ہیں، انجیل میں بھی روزہ کی فرضیت کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا البتہ روزہ کا ذکر اور اس کی تعریف کئی جگہ ملتی ہے۔ ایک جگہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو چاہئے کہ وہ اپنے کسی ظاہری حال سے روزہ ظاہر نہ کرے اسی لئے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں بالوں میں تیل لگائے اور چہرہ صاف کرتا رہے تاکہ ریاکاری میں مبتلا نہ ہو۔

کلیسا نے نصاریٰ پر متعدد روزے فرض کئے، ان کے یہاں روزوں کی بعض دلچسپ قسمیں ہیں۔ روزہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں صرف گوشت کا روزہ ہوتا ہے، بعض صرف مچھلی کا بعض میں صرف دودھ کا۔

آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ روزہ جب پچھلی ساری امتوں پر فرض کیا گیا تھا تو اب پر کس طرح فرض نہیں ہوتا جبکہ تم پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے۔ اور تم کو انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک مثالی امت بنایا گیا ہے، امام راغب نے ایک اور وجہ بتلائی۔

> روزہ کے دو بڑے فائدے ہیں ایک تو یہ کہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ معاصی اور گناہوں سے پرہیز کی تربیت ہو جاتی ہے۔

رہا یہ امر کہ آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا کہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسری امتوں پر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایک عبادت شاقہ ہے جب مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پر یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی اس عبادت سے فائدہ اٹھا چکے ہیں تو مسلمانوں پر یہ عبادت آسان ہو جائے گی۔[1]

لعلکم تتقون (اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ)

روزہ کی فرضیت اور اس کی تعلیم کے بعد اس کی حکمت نہایت مختصر مگر جامع لفظ میں بیان کی جارہی ہے کہ روزہ تم پر اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ توقع ہے کہ تم اس سے تقویٰ شعار بن جاؤ گے، روزہ سے تربیت تقویٰ اس طرح ہے کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حلال اور مباح چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اور اس پر مسلسل عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں حرام چیزوں سے پرہیز اور اجتناب کا ایک داعیہ پیدا ہوگا جو اس کی زندگی کو تقویٰ اور صبر سے آراستہ کر دیگا تقویٰ اور صبر پیغمبرانہ اخلاق کے دو اہم ستون ہیں، تقویٰ کو تو قرآن کریم نے بتلایا اور صبر کو حدیث نبوی نے آشکارا کیا ارشاد ہے، الصیام نصف الصبر[2] (روزہ کل صبر کا نصف ہے) پھر اس حکمت کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ چند وجوہ سامنے آتے ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکمت بیان کرنے کے بعد عبادت شاقہ آسان ہو جاتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ بت پرست اقوام کا تصور یہ تھا کہ ان کے خود ساختہ خدا کبھی ناراض ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی ان کو خوش اور راضی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی ناراضی دور کرنے اور ان کو خوش کرنے کا راستہ ایک ہی ہے کہ خود کو تکلیف میں ڈالا جائے اس کے لئے وہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے، بت پرست اقوام کا یہ تصور اہل کتاب میں بھی آگیا تھا، اس تصور کے برخلاف اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم آپ کے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور

(بقیہ بر ص ۱۷)

[1] الاذریعۃ الی مکارم الشریعۃ ۱۲   [2] رواہ ابن ماجہ وصححہ فی الجامع الصغیر۔

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری
استاذ دار العلوم کراچی

# منکرات رمضان

رمضان المبارک بڑا مبارک مہینہ ہے اس میں نیکیوں
طرف بہت زیادہ توجہ کرنی چاہئے اور الحمد للہ تقریباً ہر
سلمان کچھ نہ کچھ خیر کی طرف اس ماہ میں ضرور بڑھتا ہے
س ماہ میں نیکیوں کے کیا فضائل ہیں اور خصوصیت سے کن
لیوں کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے اس کا بیان
بلاغ کے اسی شمارہ کے مختلف مضامین میں موجود ہے
چھا ہوتا ہے کہ "حسنات رمضان" کے ساتھ ساتھ "منکرات
رمضان" کی بھی نشاندہی کر دی جائے یعنی ان برائیوں کو
ی بتلا دیا جائے جو اس مہینے میں عموماً لوگوں سے سرزد
وتی ہیں کیونکہ شیطان ہر ممکن طریق سے نیک بندوں کی
ہ کا روڑا بننے کے ڈھنگ نکالتا ہے اور منکرات کو رواج
ینے میں اس طرح کامیاب ہو جاتا ہے کہ اکثر عوام ہی نہیں
بعض خواص بھی برائی کو نیکی سمجھنے لگتے ہیں اور گناہ کو
اب سمجھ کر کرتے رہتے ہیں، سالہا سال کے مشاہدات اور
ربات کے پیش نظر چند مروجہ منکرات حیطۂ تحریر میں لائے
تے ہیں۔ امید کہ قارئین البلاغ اپنے اعمال کا بھی
ئزہ لیں گے اور دیگر حضرات کو بھی منکرات سے بچانے
سعی کریں گے۔

(۱) ایک بہت برا رواج یہ ہو گیا ہے کہ کمسن بچوں
کو روزہ رکھا کر بچہ کا فوٹو اخبارات میں شائع کر لیتے ہیں
اس میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔

اول: یہ کہ کمسنی ہی میں بچے کے ذہن میں، ریاکاری کا بیج بو دیا
جاتا ہے اور بچے کے دل پر یہ اثر پڑتا ہے کہ روزہ رکھنا
ایسا کام ہے جس کا اخبار میں اشتہار دینا چاہئے اور
نیکی کو اچھالنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ العیاذ باللہ
روزہ رکھنا مقصود نہیں بلکہ شہرت مقصود ہے، سب جانتے
ہیں کہ ریاکاری نیکیوں کی آری ہے اس کے ہوتے ہوئے
کوئی نیکی نہیں رہتی۔

دوم: تصویر کھنچوانا اور اخبار میں شائع کرانا یہ مستقل
بڑا گناہ ہے، ریاکاری کے ساتھ تصویر کشی کے گناہ میں
ملوث ہوتے ہیں۔ بچہ سے ایک نیکی کرائی اور خود گناہ کبیرہ
میں مبتلا ہوئے یہ کیسی نادانی ہے؟ تصویر کشی اور تصویر
گھر میں رکھنے کے سلسلہ میں البلاغ میں مفصل بحث آچکی ہے
اس لئے حرمت تصاویر کی احادیث اس مضمون میں نہیں
دی جا رہی ہیں، مسلمانوں کو اپنے ہر عمل کے بارے میں
سوچنا چاہئے کہ اللہ کی رضا مطلوب ہے یا اور کچھ؟

(۲) ایک رواج یہ ہے کہ افطار کی دعوتیں کی جاتی
ہیں، اور جب سے کمسن بچوں سے روزہ رکھا کر ریاکاری کا

سلسلہ چلا ہے اس وقت سے ان دعوتوں کا رواج اور زیادہ زور پکڑ گیا ہے، دعوت وضیافت تو اچھا کام ہے مگر اس کے ساتھ یہ جو مصیبت کھڑی ہو گئی ہے کہ افطار کرتے کرتے نماز مغرب کی بالکل چھوڑ دیتے ہیں یا جماعت ترک کر دیتے ہیں یہ ایک عظیم خسارہ ہے اگر دعوت نہ ہوتی تو جماعت کی نماز مسجد میں پڑھتے اور ۲۷ نمازوں کا ثواب پاتے مگر دعوت نے یہ سب ثواب ضائع کر دیا کیا مزا رہا۔

جب دعوت انسانی کی وجہ سے دعوت رحمانی کی شرکت سے محرومی ہو گئی جس کی طرف حی علی الفلاح کے ذریعہ منادیٔ ربانی نے بلایا تھا، بعض حضرات بالکل تو جماعت ترک نہیں کرتے بلکہ افطاری کے بے نمازی بلکہ بے روزہ دار مہمانوں کو چھوڑ کر مسجد میں پہنچکر ایک دو رکعت پا لیتے ہیں ان میں وہ حضرات بھی ہوتے ہیں جو دوسرے مہینوں میں صف اول اور تکبیر اولیٰ ناغہ نہیں ہونے دیتے، مگر رمضان جیسے مبارک ماہ میں جو ازدیاد حسنات کا مہینہ ہے صف اول اور تکبیر اولیٰ کے عظیم ثواب کو افطاری کی نذر کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ اور ہاں بعض ضیافتوں میں مولوی حافظ قاری حضرات موجود ہوتے ہیں یہ صاحب دعوت ہی کے گھر میں جماعت کی نماز پڑھا دیتے ہیں۔ جماعت کا ثواب تو مل جاتا ہے مگر دو باتیں اس میں بھی قابل توجہ ضرور ہیں۔ ایک تو وہی بات جو ابھی عرض کی گئی کہ جس ماہ میں زیادہ نیکیوں کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے اس میں بڑی جماعت کی شرکت چھوڑی اور مسجد جاتے پر جو ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی اس سے محروم ہوئے، دوسرے یہ کہ مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھروں میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے ساتھ بالکل اس کا جوڑ نہیں بیٹھتا، ہر نیک کام کی رفعت وبلندی کا معیار سنت کے مطابق ہونا ہے، تھوڑا تھوڑا ہٹنے سے آگے چل کر بہت زیادہ ہٹ جاتے ہیں، بہت سی بدعتوں نے اسی طرح رواج پایا ہے۔

شاید کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ دعوت جیسی نیکی سے روکا جا رہا ہے حالانکہ یہ سنت کا کام ہے، سنت ہونے میں کیا شک ہے، مگر نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا کیا سنت نہیں ہے؟ ضرور سنت ہے اور بہت بڑی سنت ہے، اس کو ترک نہ کرو، اور دعوت بھی خوب کھاؤ، جس کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب دعوت سے کھجوریں لیکر افطار کر لیں اور نماز باجماعت مسجد میں ادا کریں اور نماز سے فارغ ہو کر اچھی طرح ماحضر نوش جان فرمالیں۔

بات یہ ہے کہ شریعت کی پاسداری ملحوظ خاطر ہو تو ہر بات کا دھیان رہے، چونکہ دنیا داری کے اصول پر ادلے بدلے کے عنوان سے دعوتیں ہوتی ہیں، بلکہ الیکشن جیتنے تک کے مضمرات اس میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور ووٹروں اور سپوٹروں کو دعوت کے ذریعہ مانوس کیا جاتا ہے ویسے دعوتیں چیرمینوں اور ممبروں بلکہ وزیروں اور ان کے مشیروں اور عزیزوں کو بطور رشوت کھلائی جاتی ہیں اس لئے شریعت کے اصول کا خیال نہیں رہتا، خدارا ذرا غور کریں کیا ایسی دعوتیں سنت ہیں جن پر نماز یا نماز باجماعت کو قربان کیا جا سکے، پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نام تو ہے "افطار پارٹی" کا، مگر اس میں چونکہ مندرجہ بالا اصول کے مطابق دعوت دی جاتی ہے اس لئے اکثر بے روزہ دار بھی تشریف لاکر روزہ کھول لیتے ہیں۔ کلا بل لا یخافون الآخرۃ ط

(۳) بعض مساجد میں تراویح کا اہتمام اتارنے کے لئے عشاء کی اذان وقت سے پہلے دیدیتے ہیں، حالانکہ اذان وقت ہونے کے بعد ہونی چاہئے اور مسجد سے جلد نکلکر ہوٹل میں بیٹھنے کے لئے تیز رفتار حافظ ریل کو ترجیح دیتے ہیں خواہ حروف کٹنے کی وجہ سے ایک آیت بھی صحیح نہ ہو۔

(۴) بہت سی عورتیں تراویح نہیں پڑھتیں اور اس کو صرف مردوں کے کرنے کا کام سمجھا جاتا ہے، حالانکہ نماز تراویح بالغ مرد و عورت سب کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔

(۵) بعض لوگ پورے ماہ تراویح پڑھنا ضروری خیال نہیں کرتے بلکہ صرف ایک بار قرآن مجید سن لینا کافی سمجھتے ہیں خواہ جتنے دن میں بھی ختم ہو جائے، حالانکہ تراویح رمضان کی آخری رات تک پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور ختم قرآن مستقل سنت ہے۔

(۶) بعض مساجد میں نابالغ کے پیچھے نماز تراویح پڑھ لیتے ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہونے کے بھی مدعی ہیں حالانکہ حنفی مذہب میں نابالغ کی اقتداء میں فرض سنت، نفل کچھ جائز نہیں۔

(۷) ختم کے دن برقی قمقموں اور رنگ برنگ کی لمبی لمبی لائٹوں سے مساجد کی سجاوٹ کی جاتی ہے اور انوار قرآنی سے منور ہونے کی فکر سے زیادہ برقی روشنی کی چمک دمک میں آنکھیں خیرہ کر دی جاتی ہیں۔ اور بجلی کی دیکھ بھال کے باعث منتظمین مسجد اس رات کو نماز باجماعت بلکہ پوری یا آدھی تراویح کی شرکت سے بکلی محروم ہو جاتے ہیں، بھلا قلوب کو منور کرنے والے انوار قرآنیہ کے سامنے اس ظاہری آرائش کی کیا ضرورت ہے، محققین کے نزدیک یہ سب اسراف اور فضول خرچی ہے جس کے لئے شریعت میں وعیدیں آئی ہیں۔

(۸) مشروط یا معروف طریقہ پر تراویح میں قرآن مجید سنانے والے حفاظ کو خدمت کے نام سے رقم دی جاتی ہے جس کا لینا دینا ناجائز ہے۔

(۹) مسجد کی سجاوٹ اور مٹھائی نیز حافظ صاحب کو دینے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے جو بہت سے حضرات خوش دلی سے نہیں بلکہ محلہ کے بڑے لوگوں کا منہ دیکھ کر دیتے ہیں اور ......... وفد جانے کے دباؤ سے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں حالانکہ جب تک طیب نفس سے نہ دیا جائے اس وقت تک کسی کا ایک پیسہ لینا بھی حلال نہیں ہوتا، اگر کسی ضرورت سے چندہ کرنا ہو تو ضرورت سامنے رکھدیں پھر جس کا جی چاہے خود دے دے یا نہ دے، وفد بنا کر جانا دباؤ ڈالنے کے لئے ہوتا ہے جو شرعاً صحیح نہیں۔

(۱۰) عموماً اکثر مساجد میں اعتکاف کے لئے کوئی نہیں بیٹھتا حالانکہ رمضان کے آخر عشرہ کا اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، کوئی بھی نہ کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے بعض جگہ اپاہج قسم کے لوگوں کو روٹی کپڑے کا لالچ دیکر اعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں اور یہ لوگ اکثر مسائل سے بھی واقف نہیں ہوتے ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اعتکاف کتنی دیر مسجد سے باہر رہنے سے فاسد ہو جاتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو اس لئے انتخاب کرتے ہیں کہ مال و دولت والے حضرات مسجد میں دس دن گذارنے کو کسر شان سمجھتے ہیں یا دنیاوی مشغولیتوں کو اللہ کے گھر میں رہنے سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ حُبّ دنیا ہے۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

---

**البلاغ** مولانا عاشق الٰہی صاحب کا یہ مضمون — درحقیقت شرح ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متن کی جو اسی شمارہ میں دیا جا رہا ہے، اور کچھ باتیں اس میں اس کے علاوہ بھی ہیں، مگر ایک ضروری بات رہ گئی ہے وہ یہ کہ شبینوں میں یا تہجد کے وقت بعض مساجد یا خانقاہوں میں نوافل کی جماعتیں ہوتی ہیں حالانکہ یہ مکروہ تحریمی ہے البتہ اگر صرف دو تین مقتدی ہوں تو گنجائش ہے لہٰذا نوافل باجماعت نہ پڑھیں اگر شبینہ کرنا ہو تو تراویح میں پڑھیں بشرطیکہ سب توجہ سے سنیں، قرآن کی طرف سے بے التفاتی نہ ہو اور ضعیفوں کی رعایت بھی ضروری ہے، ان کے لئے چھوٹی سورتوں سے پہلے تراویح پڑھا دے۔

(ادارہ)

# دارالعلوم میں بچوں کا دارالتربیت

## (جدید رہائش گاہ)

---

دارالعلوم میں بڑے طلباء کے لئے تو شروع سے طعام وقیام کا انتظام ہے، جس کی کوئی فیس نہیں، لیکن پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لئے ایسی رہائش گاہ الگ موجود نہیں تھی جس میں ان کی دینی تربیت کا انتظام بھی ہو، اور ایسا دلکش ماحول بھی کہ شہری بچے اپنے گھر کی آسائشوں کو چھوڑ کر وہاں بآسانی رہ سکیں۔

پچھلے تین سال سے اس مقصد کے لئے ایک الگ رہائش گاہ کا انتظام "دارالتربیت" کے نام سے کر دیا گیا تھا جس میں بچوں کی نفسیات کے مطابق دینی واخلاقی نگرانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اب تک یہ اقامت گاہ چھوٹی عمارت تھی جس میں کل تیس بچے رہ سکتے تھے، اب اسے ایک بڑی عمارت میں منتقل کر دیا گیا ہے جس میں ساٹھ چارپائیوں کا انتظام ہے، نیز اس میں راحت وآرام کے اور بھی نئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

- صاف روشن اور کشادہ کمرے
- صحت بخش غذا
- ہر چیز میں نفاست
- مؤثر دینی تربیت
- سرور افزا باغیچہ
- نتیجہ خیز تفریحات
- جھولے اور متعدد کھیل
- گھر کا سا ماحول

## تعلیم

دارالتربیت میں رہنے والے بچے دارالعلوم کے مندرجۂ ذیل شعبوں میں سے کسی ایک میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔

(۱) عربی کے درجاتِ ابتدائیہ (۲) درجۂ حفظ۔

(۳) مدرسہ ابتدائیہ (پرائمری اسکول) (۴) درجۂ فارسی۔

## مصارف

بچوں کی تعلیم، رہائش، پانی اور بجلی کی کوئی فیس نہیں مگر باقی چیزوں کا بلا معاوضہ معیاری انتظام دارالعلوم کے مالی وسائل سے باہر ہے اس لئے ماہانہ فی کس ۳۵ روپے وصول کئے جاتے ہیں۔

تفصیلات کے لئے دارالتربیت کے صدر اتالیق سے دارالعلوم کورنگی کے ایریا کراچی ۱۴ میں بچے کو ساتھ لاکر ملاقات فرمائیے۔

(ناظم دارالتربیت)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب
تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

# اس مہینے میں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کا یہ مضمون
ماہنامہ "الامداد" رمضان ۱۳۳۳ھ سے ماخوذ ہے۔ محمد معروف

روزہ۔ (۱) بلا وجہ شرعی روزہ کو ترک کرنا حرام اور سخت گناہ ہے۔
(۲) روزہ کی غرض قوۃ بہیمیہ کے منکسر کرنے میں منحصر نہیں ہے اصلی وجہ خدا اور رسول کا حکم ماننا ہے۔
(۳) روزہ کی نسبت تمسخر کے کلمات کہنا مثلاً یہ کہ روزہ وہ رکھے جس کے گھر اناج نہ ہو، یا یہ کہ ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا کفر ہے۔
(۴) بلا ضرورت صرف روزہ چھوڑنے کے واسطے سفر کرنا یا بیمار بن جانا ناجائز ہے۔
(۵) اچھا خاصہ تندرست آدمی روزہ کے بدلے فدیہ دینے سے روزہ سے بری نہیں ہوگا، اسی طرح بیمار بھی جبتک اچھا ہونے کی امید ہو فدیہ پر کفایت نہیں کرسکتا، قضا واجب ہوگی۔
(۶) جو افطار شرعی عذر سے ہو اور اس عذر کے دفع ہونے کے وقت کچھ دن باقی رہے تو کھانے پینے وغیرہ سے رکنا چاہئے۔
(۷) بچوں کو بالغ ہونے سے پہلے روزہ رکھنے کی عادت ڈالو جب وہ متحمل ہو سکیں ورنہ بعد بلوغ کے ان کو روزہ رکھنا دشوار ہوگا۔
(۸) بعضے لوگ سفر میں یا مرض میں جان کو آجاتے ہیں لیکن افطار نہیں کرتے اس کی بھی ممانعت ہے۔
(۹) اگر شیر خوار بچہ کو والدہ کے روزہ رکھنے سے تکلیف و ضرر ہو تو افطار کرنا چاہئے بعد میں قضا کرلے۔
(۱۰) محض خوشی منانے اور اپنا حوصلہ نکالنے کے واسطے بہت کم سمجھ بچوں سے روزہ رکھوانا ممنوع ہے۔
(۱۱) روزہ میں غیبت، نگاہ بد اور تمام معاصی سے بہت اہتمام سے بچو روزہ میں دل بہلانے کے واسطے ان معاصی کا مرتکب ہونا اور اسی طرح چوسر، گنجفہ کھیلنا، ہارمونیم گراموفون بجانا اشد درجہ حرام ہے۔
(۱۲) جس طرح معاصی سے بچنا ضروری ہے اسی طرح لایعنی اور فضول کام سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔
(۱۳) رمضان المبارک میں غذائے حلال کا بہت زیادہ اہتمام رکھو۔
(۱۴) پچھلے روزہ کا زیادہ اہتمام کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔

فائدہ: تجربہ اور مشاہدہ سے رمضان المبارک کا یہ خاصہ ثابت ہوا ہے کہ رمضان المبارک میں جن معاصی اور ناجائز نفسانی خواہشوں سے آدمی بچتا ہے تمام سال اس کا یہ اثر رہتا ہے کہ بچنا آسان ہوتا ہے اس لئے ہمت کرکے اس ماہ میں تمام معاصی خواہ اعضاء ظاہری سے ان کا تعلق ہو یا قلب سے ہو سب سے بچو۔

سحری: (۱۵) بعض لوگ آدھی رات ہی سے سحری کھالیتے ہیں اس سے ثواب کامل سحری کا نہیں ہوتا۔
(۱۶) اور بعض اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ صبح صادق ہونے کا شبہ ہوجاتا ہے اس سے بھی احتراز بہت لازم ہے۔

(۱۷) بعض لوگ سحر تو مناسب وقت کھاتے ہیں مگر فضول حقہ و پان میں اس قدر دیر کرتے ہیں کہ اشتباہ ہو جاتا ہے۔

**افطار** (۱۸) افطاری کھانے میں اس قدر مشغولی کہ مغرب کی جماعت فوت ہو جاوے بہت ہی خسارہ کی بات ہے۔

(۱۹) بہتر یہ ہے کہ روزہ مسجد میں افطار کیا کریں تاکہ جماعت نہ جاوے۔

(۲۰) افطاری کی حرص سے گھر پر مغرب کی نماز پڑھنا اور مسجد و جماعت کے ثواب سے محروم رہنا بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔

**تراویح:** (۲۱) فارغ ہونے کی جلدی میں وقت سے پہلے کھڑے نہ ہونا چاہئے ورنہ ترک فرض کا گناہ سر پر رہے گا۔

(۲۲) عشا کی اذان تراویح کے جلدی ہونے کے خیال سے وقت سے پہلے نہ کہلائیں۔

(۲۳) قرآن شریف نہ بہت تیز پڑھیں کہ کچھ سمجھ میں نہ آوے۔ اور نہ اس قدر ٹھہر کر کہ مقتدیوں کو تکلیف ہو۔

(۲۴) ثنا، و تسبیحات و تشہد و درود تراویح میں اطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔

(۲۵) اجرت مشروطہ یا معروفہ پر تراویح میں قرآن سنانا ناجائز ہے۔

(۲۶) ختم قرآن شریف پر شیرینی کا اہتمام و التزام نہ کرنا چاہیے خاص کر چندہ کر کے شیرینی تقسیم کرنا تو اور بھی زیادہ مفاسد کو مشتمل ہے۔

(۲۷) ختم قرآن کے دن مسجد میں روشنی کا خاص اہتمام ثابت نہیں بلکہ معصیت و اسراف ہے۔

(۲۸) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننا مفاسد سے خالی نہیں ہے۔

**صدقۂ فطر** (۲۹) صدقۂ فطر نصاب ہونے سے جیسا اپنی طرف کو واجب ہے اسی طرح اپنے بچوں کی طرف سے بھی واجب ہے۔

(۳۰) مسجد کے مؤذن اور امام اور سقہ کو اجرت میں صدقۂ فطر دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا۔

ملا واحدی

# تاثرات

عمر بن عبدالعزیز رح تو قریباً دوسرے عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی تھے، ان کو خلفائے راشدین کی صف کا خلیفہ کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ...... ہے۔ انھیں خلافت کے لئے زیادہ زمانہ نہیں ملا ورنہ خدا جانے کیا کیا کام کر جاتے لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ بھی مسلمانوں میں ایسے بادشاہ، وزیر اور امیر بے شمار گذرے ہیں جن پر اسلام کو فخر ہے، جنھوں نے مال وزر اور اقتدار کی فراوانی کے باوجود اسلامی شان پوری طرح باقی رکھی۔

آج میں صرف ایک وزیر اور ایک امیر کا نام لیتا ہوں وزیر نظام الملک طوسی ہیں۔ اور امیر بختی الملک شیخ فرید۔

نظام الملک طوسی کی شہرت بحیثیت عاقل و دانا اور مدبر کے بھی ہے، اور انھوں نے خدمت دین بھی بیحد کی تھی۔ حسن بن صباح کے باطنی فرقے کا فتنہ نظام الملک طوسی کے دور وزارت میں اٹھا تھا۔ نظام الملک طوسی نے اسے اتنا دبایا کہ بالآخر اسی فرقے کے کسی شخص کے ہاتھوں وہ شہید ہو گئے۔

حال میں مولانا عبدالرزاق کانپوری مرحوم کی معرکۃ الآرا کتاب نظام الملک طوسی کا دوسرا ایڈیشن چھپا ہے اس کے چند اقتباسات پڑھئے۔ بادشاہ اور رعایا کے فرائض کے تحت نظام الملک طوسی لکھتے ہیں۔

"جب لوگ شریعت کی پابندی چھوڑ کر دین و مذہب کا خاکہ اڑانے لگتے ہیں اور خدا کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے ہیں، اس وقت خدا ان کے اعمال کی سزا دینا چاہتا ہے اور (یہ سزا دیتا ہے کہ) بجائے عادل اور مہربان بادشاہ کے ظالم حکمران مسلط کرتا ہے۔ اس دور انقلاب میں خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں اور گنہگار اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے ہیں (اور جَنوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں)۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ جب نیستان میں آگ لگتی ہے تو اول وہ خشک چیزوں کو جلاتی ہے۔ پھر ہمسائگی کے طفیل تر و تازہ چیزیں بھی جل کر راکھ ہو جاتی ہیں۔

بادشاہوں کو خدا کی رضا مندی حاصل کرنا چاہیئے مگر یہ رضا مندی جب ہی حاصل ہو سکتی ہے کہ بندگان خدا پر عدل و احسان کیا جائے۔ عدل کا ثمرہ بادشاہ کو یہ ملتا ہے کہ رعایا ٹھنڈے دل سے دعائیں مانگتی ہے، جس سے سلطنت میں استحکام اور اضافہ ہوتا ہے اور دین و دنیا کی نیک نامی نصیب ہوتی ہے اور آخرت کا حساب ہلکا ہو جاتا ہے۔ مشہور قول ہے "اَلْمُلْکُ یَبْقٰی مَعَ الْکُفْرِ وَلَا یَبْقٰی مَعَ الظُّلْمِ"۔ یعنی سلطنت کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتی ہے

مگر ظلم وستم کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتی۔"

"بادشاہ پر واجب ہے کہ فرض وسنت اور احکام شریعت کے قائم رکھنے کی کوشش کرے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بادشاہ کے واسطے سب سے اچھی چیز اس کا پاکیزہ مذہب ہے، کیونکہ مملکت اور مذہب مثل دو بھائیوں کے ہیں۔ جب مملکت میں انقلاب ہوگا تو مذہب میں بھی رخنہ پڑے گا اور جب مذہب میں رخنہ پڑے گا تو سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوگا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے اچھا بادشاہ وہ ہے جو اہل علم سے محبت رکھتا ہو اور سب سے برا وہ عالم ہے کہ جو بادشاہ سے ملتا ہو۔"

نظام الملک طوسی بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔

میرے لعل وزارت اختیار نہ کرنا اور جہاں تک ہو سکے دولت جاوید یعنی قناعت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا اور دنیا کی چاپلوسی پر شیدا اور فریفتہ نہ ہونا، کیونکہ اول کی لذتیں آخرت کی مسرتوں کے برابر قیمت نہیں رکھتیں، صبح سے شام تک بلاناغہ لوگوں کے معاملات میں وزیر کو مختلف احکام صادر کرنا پڑتے ہیں اور حکم الٰہی یوں ہے "فاحکموا بین الناس بالعدل" یعنی جو حکم ہو وہ کانٹے کی تول ہو۔ ایسی صورت میں خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی ایک "حکم بھی حکم خداوندی کے خلاف صادر ہو جائے تو اس ایک لحظے کے نقصان کی تلافی سو برس کی حکومت میں نہیں ہو سکتی۔"

شیخ فرید وہ امیر ہیں جنھیں شہنشاہ جلال الدین اکبر کے مرتے وقت تمام با اثر امرا نے اپنا نمائندہ بنا کر جہانگیر کے پاس بھیجا تھا کہ ہم آپ کی حمایت کے لئے تیار ہیں۔ مگر یہ فرمایئے کہ باپ کی طرح کوئی نیا دین تو کھڑا نہیں کیجئے گا؟"

روزانہ پانچ سو آدمی شیخ فرید کے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے اور پانچ سو آدمیوں کو گھر پر کھانا بھیجا جاتا تھا

شیخ فرید باہر نکلتے تھے تو ملازمین روپے اور اشرفیاں لئے ساتھ ہوتے تھے، شیخ فرید خیرات کرتے جاتے تھے۔

شیخ فرید نے جائیدادیں نہیں بنائیں، حتیٰ کہ ان کے رہنے کا مکان بھی معمولی سا تھا۔ لیکن غریب مسافروں کیلئے انھوں نے جگہ جگہ سرائیں تعمیر کیں۔ جو زندگی بھر روپے پر کھیلا اس کے ہاں مرنے کے بعد صرف ایک ہزار اشرفیاں

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ شیخ فرید کے حقوق کا میرے کل مریدوں کو خیال رکھنا چاہئے۔

شیخ فرید درویش صفت امیر تھے۔ جن پر بڑے بڑے مشائخ کو رشک آتا تھا۔

شیخ فرید نے شریفانہ عقل اور ایماندارانہ کارگذاری کے ذریعہ عروج حاصل کیا تھا۔ جہانگیر کے دوران حکومت میں شیخ فرید صوبہ گجرات اور صوبہ پنجاب کے صوبیدار (گورنر) رہے۔

شیخ فرید دلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور دلی ہی میں مدفون ہیں دلی سے جو سڑک قطب صاحب جاتی ہے، اُس پر منصور کے مقبرے اور بی بی نور کی درگاہ کے درمیان ایک راستہ چراغ دلی کی طرف مڑتا ہے، اس راستے میں سرخ گنبد کے قریب پرانا قبرستان ہے وہاں لوہے کے کٹھرے کے اندر شیخ فرید کا مزار ہے، مزار کی لوح پر نام وغیرہ کندہ ہے۔

شیخ فرید کا پورا نام شیخ سید فرید الدین تھا۔ جہانگیر نے انھیں مرتضیٰ خاں اور صاحب سیف و قلم کے خطاب دیئے تھے۔

جو صحابہ غزوۂ بدر سے قبل ایمان لے آئے تھے اور جنھوں نے مشرکین مکہ کے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں سہی تھیں اور جنھوں نے پہلی جنگ (غزوۂ بدر) میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا، ان کا مرتبہ اللہ تعالیٰ

بعد کے صحابہ پر فائق رکھا ہے۔ لیکن کس اعتبار سے ؟

صرف عزت اور اجر آخرت کے اعتبار سے، دوسرے اعتبارات سے وہ دوسروں کے برابر تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب مشورہ پیش کیا کہ بدری صحابہ کو تقسیم دولت میں فوقیت ملنی چاہئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ بدری صحابہ کو فوقیت عزت اور اجر آخرت کے اعتبار سے ہے، کفالت اور تقسیم دولت کے اعتبار سے نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنی رائے سے کام لیا تھا، لیکن پھر ان کی بھی رائے یہی ہوئی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح تھی آسائش تمام مسلمانوں کو یکساں ملنی چاہئے۔

فطرت انسانی بدل نہیں سکتی، صحابہ بے شک دنیا کے آرام و آسائش سے بے نیاز تھے، مگر قرآن صحابہ ہی کے واسطے نہیں اترا تھا۔ قیامت تک کے انسانوں کے واسطے اترا تھا۔ مگر غیروں سے کیا کہا جائے مسلمانوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پیروی نہیں کی۔

کوئی حکومت چلائے نہیں چل سکتی، اگر محکوم اس سے خوش ہوں، ہم مذہبوں کی حکومت کا ذکر نہیں، غیر مذہب والوں کی حکومت کی خاطر لوگ جان کی بازی لگا سکتے ہیں، بشرطیکہ لوگ اس حکومت سے آرام اور آسائش پا رہے ہوں۔ انگریز نہ ہندوؤں کے ہم مذہب تھے نہ مسلمانوں کے ہم مذہب، مگر جن ہندوؤں اور مسلمانوں کو ان سے فائدہ پہنچ رہا تھا وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں۔

انگریز اگر سارے ہندوؤں اور مسلمانوں کو آرام اور آسائش پہنچاتے تو ان کے ہندوستان سے جانے کا نام بھی نہ لیا جاتا لیکن بے انتہا ہونے کے باوجود انگریز تک وہ راز نہ سمجھ سکے جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے۔

---

حدیث: انسان کے ہر عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں روزہ اس قانون سے مستثنےٰ ہے کیونکہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ بندہ اپنی خواہش اور اپنے کھانے کو میرے لئے چھوڑتا ہے، پھر فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اس وقت ہوگی جب خدا سے ملاقات کرے گا اور روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے عمدہ ہے اور روزے ڈھال ہیں (جو گناہوں سے اور دوزخ سے بچاتے ہیں) جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو گندی باتیں نہ کرے اور شور نہ مچائے، پس اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرنے لگے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں (لڑنا جھگڑنا گالی کا جواب دینا میرا کام نہیں) (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ رض)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام رَیّانُ ہے اس سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے
بخاری و مسلم عن سھل رض) رَیّان بمعنی سیرابی والا۔

جس نے ایک دن خدا کی راہ میں روزہ رکھ لیا اللہ تعالےٰ اسے دوزخ سے اس قدر دور کر دیں گے کہ ستر سال میں جتنی دور پہنچا جائے۔ (بخاری عن سعید رض)

دوسری قسط

محمد حنیف اللہ پھلواروی - کراچی

# مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں

مسلمانوں کے روشن دور میں ان کی تجارتی سرگرمیاں دنیائے معلومہ کے ایک بہت بڑے حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں مسلمانوں کی فاتحانہ سطوت حوصلہ مندانہ تجارت اور مبلغانہ مساعی، ایشیا اور افریقہ کے بعید ترین گوشوں تک جا پہنچی تھیں مسلمانوں نے بڑی بڑی بندرگاہوں کی تسخیر کے بعد تجارتی سلسلوں کے بڑھانے کے لئے بیڑے تیار کئے۔

ہندوستان، چین، سیام، جاوا، سماترا، جزائر ہند سیلون، ملیبار، ممباسہ، زنجبار، حبش، مصر، عرب وغیرہ مشرقی ممالک کی بحری تجارتیں مسلمان تاجروں کے ہاتھوں میں تھیں، ان کے جہاز بحر ہند، بحر عرب، خلیج فارس اور بحر احمر کے تجارتی راستوں پر قابض تھے۔ یہ لوگ چین ہندوستان، ایران وغیرہ سے مال لیجا کر مصر پہنچاتے اور وہاں سے وینس اور جینوا کے سوداگر اسے یورپ لیجاتے تھے، پھر اس طرح یورپ کا مال مسلمانوں کے جہازوں پر ہندوستان، ایران، چین وغیرہ مشرقی ملکوں میں پہنچتا تھا

غرض بجلار عزالدین کے الفاظ میں تجارت، صنعتی اور زراعتی سرگرمیوں سے بھی بازی لے گئی۔ یہ دنیائے اسلام کی حدود سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی۔ تجارتی کاروبار یورپ میں بحیرہ بالٹک کے کناروں تک پہنچ چکا تھا۔ جہاں سے عربی سکوں کے بہت سے دفینے دستیاب ہوئے ہیں جنوب میں عربوں کی تجارت افریقہ کے ملک تک جا پہنچی تھی اور مشرق میں عرب تجار ہندوستان اور چین کے ساتھ خشکی اور سمندر کے راستوں سے مال تجارت لانے لیجانے میں بڑی سرگرمی سے مصروف تھے۔ مملکت اسلامی میں تجارت کی گرم بازاری تھی۔ اس صورت میں بھی ایک خطۂ ارض کے متحد ہو جانے کی وجہ سے نقل و حرکت کی آزادی اور سہولت پیدا ہو گئی تھی؛ اور مال تجارت مسلسل ادھر سے اُدھر آنا جاتا رہتا تھا۔

۳۵۰ھ کے قریب بغداد میں تیس ہزار تجارتی کشتیاں تھیں: ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق قاہرہ میں سلطان اور اس کی رعایا کی چھتیس ۳۶ ہزار کشتیاں تھیں جو بالائے مصر سے دمیاط اور اسکندریہ کے درمیان ہمہ قسم کے سامان سے لدی ہوئی آتی جاتی تھیں۔

عبدالرحمٰن الناصر (اندلس) کے تجارتی جہاز میڈیٹرینین کے تمام مشرقی مقامات میں جاتے تھے۔

مشہور انگریز مسلمان محمد مارماڈیوک پکھتال کا بیان ہے کہ اسی زمانہ کی اسلامی سلطنت کی مالی خوش حالی مغربی دنیا کے لئے قابل رشک تھی اور مغربی سوداگروں کی کمپنیاں

اسلامی دنیا میں تجارت کی اجازت حاصل کرنے کے لئے باہم خوب مقابلہ کیا کرتی تھیں۔ مسلمانوں کی اس زمانہ کی مرفہ الحالی کا ایک معمولی سا اندازہ زمانۂ حال کے ایک انگریز مصنف کے ایک اقتباس سے ہو سکتا ہے، اور یہ یاد رہے کہ یہ مصنف مسلمانوں کا کوئی خیر خواہ یا مداح نہیں۔

"ہسپانیہ کی خوش حالی کے باوجود جس کا آغاز سولھویں صدی میں نئی دنیا کے ساتھ اس کی عمدہ تجارتی حیثیت سے ہوا۔ اس کے مصنوعات اور ان کے ساتھ اس کی خوشحالی کیتھولک بادشاہوں کے عہد میں روبہ انحطاط ہو گئی، اور یہ انحطاط اس وقت مکمل ہو گیا جب فلپ ثالث کی طرف سے از آبل کی حمایت مذہب میں شروع کی ہوئی تباہی کی تکمیل ہسپانیہ سے آخری مسلمان کے اخراج سے عمل میں آئی۔"

## برصغیر ہند و پاکستان مسلمانوں کی تجارت

ہند و پاکستان کی تجارت کے سلسلے میں مسلمانوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں کا مورخ پنڈت گردھاری لال اپنی تاریخ "کتاب الہند" میں لکھتا ہے

"اسلامی حکومت سے پہلے ہندوستان کی تجارت کچھ زیادہ کامیاب نہیں تھی۔ مسلمانوں نے مختصر سی مدت میں بری اور بحری تجارت کو خوب فروغ دیا، عراق، شام، فلسطین، ایران اور کابل سے بیشمار کارواں یہاں آنے لگے، اور بہت سی چیزیں جن کا اس سے پہلے ہندوستان میں وجود بھی نہ تھا، یہاں بکثرت بازاروں میں آنے لگیں۔"

بھارت کا مشہور مورخ سر جدو ناتھ سرکار کے بیان کے مطابق "ہندوستان کے اکثر مسلمان تاجر جو زیادہ تر سندھ، گجرات، کوکن اور دکن وغیرہ کے باشندے تھے، بڑے بڑے تجارتی جہاز رکھتے تھے اور مشرق بعید اور مشرق قریب کے تمام ممالک سے تجارت کرتے تھے۔"

مورلینڈ لکھتا ہے کہ "اہل ہند نے اپنی بحری تجارت کی طرح بری تجارت و سفر کا بھی ایسا انتظام کر لیا تھا کہ اس عہد میں یقیناً ان کا بڑا کارنامہ سمجھنا چاہیے۔"[1]

ڈاکٹر اس این سرکار ایم۔ اے۔ ڈی فل (آکسن) اور پروفیسر کے کے دت ایم اے نے اپنی کتاب "ٹکسٹ بک آف ماڈرن انڈین ہسٹری" میں لکھتے ہیں۔

"سولھویں صدی میں ہندوستان کی بیرونی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا۔ یہاں یورپ اور ایشیا کے مختلف ممالک سے بہت سی قیمتی چیزیں آتی تھیں اور یہاں سے بھی مختلف اشیاء باہر جاتی تھیں۔ درآمد زیادہ تر سونا، چاندی، تانبا، ٹین، جستہ، سیسہ، قیمتی پتھر، مخمل، زربفت، عطر، دوائیں اور چینی کے برتن ہوتے تھے۔ بیرونی تاجروں کو زیادہ محصول نہیں دینا پڑتا تھا، لیکن وہ چاندی ملک سے باہر نہیں لے جا سکتے تھے۔ اس کی سخت ممانعت تھی۔ سورت میں درآمدی چیزوں پر ۲½ فی صدی محصول تھا اور سونے چاندی پر دو فی صدی ہندوستان جو چیزیں برآمد کرتا ان میں زیادہ تر سوتی کپڑے، گول مرچ، مسالے، تیل، افیون اور خاص خاص قسم کی دوائیں ہوتیں۔"

بیرونی دنیا سے برعظیم ہندوستان کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں۔

"ابو الفضل ہمیں بتاتا ہے کہ اکبر کو کمبس کی دریافت امریکہ سے باخبر ہو چکا تھا۔ اکبر کے جانشین کے عہد حکومت میں امریکہ کا تمباکو براہ یورپ ہندوستان پہنچ چکا تھا۔ اور اگرچہ جہانگیر نے اس کے استعمال کی روک تھام میں بہت سعی کی مگر لوگ حیرت انگیز سرعت سے اس کے عادی ہو گئے۔ مغلوں کے دور حکومت کے آخری ایام تک وسط ایشیا سے ہندوستان کے تعلقات بہت گہرے رہے۔ یہ تعلقات روس سے بھی قائم

---

[1] See History of India Elliot & Dowson. Vol: VI. P. 167 (S. M. Ikram)

ہو چکے تھے، چنانچہ تاریخوں میں سیاسی و تجارتی وفود کا ذکر ملتا ہے۔ ایک روسی دوست نے مجھے بتایا کہ روس کی تاریخوں میں بھی اس قسم کے حوالے موجود ہیں۔ ۱۵۳۲ء میں شہنشاہ بابر کا ایک سفیر خواجہ حسین معاہدہ دوستی استوار کرنے کے لئے ماسکو پہنچا تھا۔ زار مائیکل ڈیڈرووچ (۱۶۱۳-۱۶۴۵ء) کے زمانے میں بعض ہندوستانی تاجر والگا کے کنارے بس گئے تھے۔ ۱۶۲۵ء میں فوجی حاکم کے ایماء سے استراخان میں ایک ہندوستانی سرائے تعمیر کی گئی تھی۔ ہندوستانی صناع بالخصوص پارچہ باف ماسکو بھی بلائے جاتے تھے ۱۶۹۵ء میں روس کا سفیر تجارت سیمین میلنکی وارد دہلی ہوا، اور اورنگ زیب نے اُسے باریاب کیا ۱۷۲۲ء میں جب شہنشاہ پیٹر اعظم استراخان گیا تو وہاں اس نے بھی ہندوستانی تاجروں کو ملاقات کا موقع دیا"

DISCOVERY OF INDIA P220

(بحوالہ ثقافت پاکستان ص ۳۶-۳۷)

شیر شاہ نے تجارت پر خاص توجہ دی، سامان تجارت اور عوام کی سہولت کے لئے بڑی بڑی سڑکیں بنوائیں اس نے چنگی اور دوسرے ٹیکس جن سے تجارت میں مشکلات پیدا ہوتی تھیں موقوف کردیئے۔

کپتان الگزینڈر ہملٹن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:

"اورنگ زیب کے زمانہ میں حکومت نے تاجروں کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر اس قدر لے لی تھی کہ اگر ان کا مال چوری ہو جاتا تو حکومت خزانہ شاہی سے نقصان کی تلافی کر دیتی۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک نہیں کر سکتے تھے۔ اسی تجارت اور مال کی درآمد کا نتیجہ تھا کہ صرف شہر سورت میں چنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ تھی اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ"

یہ سیاح تجارتی جہازوں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ

"تمام ساحل ہندوستان پر دو چار جہاز ہر اول ہے) ہندوستانیوں کے بڑے بڑے جہاز تجارتی مال سے لدے ہوئے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں"

شری شیام سندر سابق ممبر میسور اسمبلی (بھارت) لکھتے ہیں کہ "شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں ہندوستان کی تجارت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مغربی ہندوستان کی بندرگاہیں سامانِ تجارت سے پٹی رہتی تھیں، اسی تجارت کی بدولت ہندوستان کے باشندے جن کی بڑی اکثریت اس وقت بھی ہندوؤں ہی پر مشتمل تھی، بے حد خوش ہو گئے تھے۔ باہر کے ملکوں میں ہندوستان کو "سونے کی چڑیا" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور متعدد مغربی مفکروں نے اس خیال کا اظہار بھی کیا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان کی دولتمندی اور خوش حالی ہی نے یورپی قوموں کے ذہن میں اس ملک پر قبضہ کر لینے کا خیال پیدا کیا تھا۔ (دین دنیا دہلی)

سلطان ٹیپو (میسور) کا پورا عہد حکومت جنگ و پیکار میں گذرا اور وہ میدانِ جنگ میں شہید ہوا۔ ایسے فرماں روا کی تجارتی سرگرمیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ میجر آلن لکھتا ہے کہ

"ٹیپو ایک فرمانروا ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک جلیل القدر تاجر بھی تھا۔ اس نے تجارت کے جو ضوابط مرتب کئے تھے اس کی رو سے سلطان کو صدر التجار کی حیثیت حاصل تھی اس نے تجارت سے متعلق ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا، جس میں ۹ ٹریڈ کمشنر تھے۔ ان کی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کی غرض سے سترہ کوٹھیاں قائم تھیں۔ تجارتی معاملے میں سلطان کے عزائم نہایت بلند اور حوصلے بہت وسیع تھے۔ وہ اسلامی ممالک سے بھی کاروباری تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا۔

## مسلمان تجار کی دولت و ثروت اور ان کی فیاضیاں

ان ہی تجارتی اولوالعزمیوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی دولت

در ثروت کے حالات کتابوں میں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے تجارتی اولوالعزمیاں خود صحابہ میں بھی تھیں چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض بڑے تاجر تھے۔ ان کی دولت مندی کا یہ حال تھا کہ وفات کے بعد ان کی چار بیویوں میں اسی اسی ہزار اشرفیاں ملیں۔ حضرت طلحہ رض نے بارہ لاکھ درہم نقد اور تین کروڑ درہم کی جائیداد چھوڑی۔ حضرت زبیر کی دولت کا اندازہ موجودہ حسابی اصطلاح میں ۳۵ ہزار ملین کی ہے۔ آپ کی چار بیویوں میں ہر ایک بیوی کے حصے میں گیارہ گیارہ لاکھ درہم آئے۔ (انھیں بتیسواں حصہ ملا تھا) تین کروڑ باون لاکھ کی جائداد چھوڑی آپ کا ایک مکان چھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ یہ ساری دولت اصحاب کرام کو تجارت سے حاصل ہوئی تھی۔

ان اصحاب کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے اپنی زندگی میں چالیس ہزار نقد، پانچسو گھوڑے ڈیڑھ ہزار اونٹ مختلف مواقع پر حفاظت اسلام کے لئے خرچ کئے۔ حضرت طلحہ رض نے سات لاکھ درہم ایک دن میں مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔

فلپ کے ہٹی بیان کرتا ہے کہ بغداد کے صرف ایک جوہری ابن الحصاص کے قبضہ سے اس زمانہ کی جمع کی ہوئی بیشمار دولت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہتے ہیں کہ اس جوہری کے پاس اتنی دولت تھی کہ خلیفۂ وقت (مقتدر باللہ) نے ایک بار اس کی جائداد میں سے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ دینار ضبط کر لئے تھے، لیکن اس کے باوجود اس شخص کی دولت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا اور وہ جوہریوں کے ایک خاندان کا گل سرسبد بنا رہا۔

بصرہ اور بغداد کے ان پڑھ چکی والے بھی غریبوں اور محتاجوں کو روزانہ ایک سو دینار بطور خیرات تقسیم کر سکتے تھے

سیراف (ایران کا ایک تجارتی بندرگاہ) کے ایک متوسط تاجر کا خانگی خرچ دس ہزار دینار اور بعض کا تیس ہزار دینار تھا۔

بہت سے بحری تاجروں کی فی کس سالانہ آمدنی چالیس لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔

مسلم سیاح ابن حوقل نے بہت سے حالات مسلمان تجار کی دولت مندی اور ثروت کے لکھے ہیں۔

سیراف ہی کے ایک تاجر کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اسی کے مال کا ایک ثلث نکالا گیا، جس کی قیمت دس لاکھ اشرفیاں تھیں یعنی ایک ملین اشرفی۔

عدن کے ایک تاجر رامشت کے سب سے چھوٹے لڑکے موسیٰ کے متعلق لکھتا ہے کہ نقرئی آلات جو موسیٰ کے زیر استعمال تھے، ایک دفعہ تولے گئے تو ایک ہزار دو سو من وزن ٹھیرا۔

رامشت کے ایک منشی جس کا نام علی نیلی بتایا ہے اس کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ آج سے بیس برس پہلے چین سے مال بیچ کر ہم جب لوٹے تو جو کچھ مجھ کو ملا تھا وہ پانچ لاکھ دینار کی پونجی تھی۔

ابن حوقل نے سیراف کے اور تاجر کے متعلق لکھتا ہے کہ اسے سمندر سے اتنی محبت تھی کہ وہ چالیس سال تک مسلسل جہازہی میں رہا اور جب کسی ساحل پر پہنچا تو اپنے کسی آدمی کو وہاں بھیج دیا کرتا جو تمام ضروریات کی تکمیل ہر شہر میں کر دیتا اگر جہاز مرمت کے قابل ہوتا تو دوسرے جہاز پر منتقل ہو جاتا لیکن خشکی پر نہیں اترتا۔

کامل ابن اثیر میں بصرے کے ایک تاجر جس کا نام شریف عمر تھا، اس کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس کی سالانہ آمدنی تجارت سے دو کروڑ پچاس لاکھ درہم تھی۔

الغزی نے ایک طحان (چکی پیسنے والا) کے متعلق لکھا ہے کہ پہلے بصرے میں رہتا تھا۔ معتصم باللہ کے زمانہ میں بغداد چلا آیا تھا۔ یہاں کاروبار میں اس کے اتنا فروغ ہوا کہ ایک سو دینار (اشرفی) روزانہ زکوٰۃ کی مد میں خیرات کیا کرتا تھا۔

ہندوستان کی تاریخوں میں بھی ایسے حالات ملیں گے کہ ایک ایک تاجر لاکھوں بلکہ کروڑوں کا بندوبست کرسکتا تھا کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد غوری نے ہندوستان پر آخری بار حملہ کرنے کی تیاری کی تو اس نے امام رازی سے روپیہ قرض لیا تھا، اس کا پتہ نہیں کہ یہ کتنا روپیہ تھا، لیکن فوجی مہم اور وہ بھی آخری فیصلہ کن مہم کے لئے قرض دس بیس روپیہ لیا جاسکتا ہے؟ (ہزار سال پہلے)

مشہور واقعہ ہے کہ سورت کے ملا عبدالغفور جو عالمگیر عہد کے تاجر ہیں ان کا سرمایہ کروڑوں روپیہ سے تجاوز تھا (ماثر الامراء)

اور بقول الیگزنڈر ہملٹن سورت کے اس تاجر کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایہ کے برابر تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے لڑکے محمد مراد بخش نے بندر سورت کی فتح کے بعد حاجی زاہد اور بیرجی بھورہ تاجران بندر سورت سے پانچ لاکھ روپے قرض لئے تھے۔ سنہ ۱۰۸۰ھ میں اورنگ زیب نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص بادشاہ پر کوئی دعوی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ محمد محسن پسر حاجی زاہد اور سید پیرجی بھورہ نے شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں اس روپے کا دعوی پیش کیا۔ اورنگ زیب نے تحقیقات کے بعد قرض مذکور ادا کرنے کا فیصلہ صادر کیا۔ اورنگ زیب کے انصاف کا یہ عالم دیکھ کر محمد محسن مدعی نے دست بستہ عرض کیا: "فدوی کا مطلب یہ تھا کہ اپنا حق ظاہر کرے۔ یہ رقم (پانچ لاکھ روپے) حضور کی نذر ہے۔"

**بیمہ** خلاصۃ التواریخ میں منشی سبحان رائے نے تجارت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ: اس ملک کے مہاجن اس قدر دیانتدار ہیں کہ اجنبی لوگ بھی لاکھوں روپے کی رقوم کسی دستاویز یا شہادت کے بغیر ان کے پاس بطور امانت رکھوا دیتے ہیں اور یہ لوگ عند الطلب اس امانت کو لوٹا دیتے ہیں۔ جو ہنڈیاں یہ جاری کرتے ہیں وہ ملک میں ہر جگہ کھری سمجھی جاتی ہیں، اور تھوڑی سی رقم کاٹ کر ان کا روپیہ ادا کردیا جاتا ہے۔ سوداگر سڑکوں اور راستوں کی خطرناکی کے باعث اپنا مال ان مہاجنوں کے سپرد کر دیتے ہیں، اور دوسرے مقام پر پہنچ کر بعینہٖ وصول کرلیتے ہیں اس خدمت کی کچھ اجرت ادا کردی جاتی ہے اور اس کو بیمہ کہتے ہیں۔ (یعنی موجودہ انشورنس اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی موجود تھے) (بحوالہ مسلم ثقافت ص ۲۹۶)

مسٹر مانٹیگو گراہم نے جو تجارتی امور کے ایک بہت ماہر ہیں، اپنے تجارتی تجربات کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے

"اس بات کے علاوہ کہ صنعتی انقلاب سب سے پہلے مغرب میں رونما ہوا تھا، اور اس لئے کہ مغربی ممالک ہی دنیا بھر کو مصنوعات بہم پہنچانے کے باعث تجارت میں پیش پیش رہے تھے۔ مغربی ملکوں کی تجارت کی کامیابی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے اس میں اسلام کے اصول تجارت کو اپنا رہنما بنایا ہے مثال کے طور پر ہم اپنے تجارتی مال کے معیار کو قائم رکھتے ہیں، مانگ بڑھنے کے باعث ہم اس کے معیار کو نہیں گراتے اور ناقص مال کو اچھا کہہ کر فروخت کرنے کی بجائے ہم مال میں کسی قسم کی شکایت موصول ہونے کی صورت میں اسے معذرت کے ساتھ بدل دینے کے لئے تیار رہتے ہیں، اور ہم نے تجارت کا یہ شریفانہ طریقہ اسلام کی اس تعلیم سے اپنایا ہے کہ کسی کو اپنا ناقص مال بے عیب ثابت کرکے فروخت کرنا نہیں چاہئے۔"

(دین دنیا دہلی)

# اسلام اور آدابِ معاشرت

(حکیم محمد سعید صاحب دہلوی)

اسلام ایک مکمل دستورِ حیات اور ضابطۂ زندگی ہے، وہ صرف پوجا پاٹ یا رسمی عبادات کا مذہب نہیں ہے بلکہ وہ انسان کی زندگی کے ہر شعبے، ہر پہلو اور ہر گوشے کے لئے ہدایت و رہنمائی مہیا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ انسانی زندگی کا ہر گوشہ اس کے اصولوں کی روشنی سے منور ہو۔ مسلمان ہونے کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ فرائض اور واجبات دینی کو ادا کر دینے کے بعد انسان آزاد ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں چاہے جو کچھ کرے اور چاہے جن اصولوں کو اپنالے اسکی مذہبیت میں فرق نہیں آئے گا اور وہ عبادات کی چند رسوم پوری کرنے کے بعد اپنی دنیاوی زندگی میں دین کی پابندی سے بے نیاز ہے، ہمارا دین مسجد تک محدود نہیں ہے بلکہ اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت قرار دیتا ہے اور انسان کی زندگی کا مقصد ہی عبادت قرار دیتا ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

اور نہیں پیدا کیا ہم نے انسان کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کرے

پوری زندگی کو عبادت قرار دینے ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عبادت چند رسموں تک محدود نہیں رکھی گئی ہے بلکہ انسان کے ہر اس فعل کو عبادت قرار دیا گیا ہے جو احکام خداوندی اور شریعت محمدی کے مطابق ہو۔ آپ کا ہر وہ کام عبادت ہے جو آپ تسلیم و رضا کے جذبہ کے ساتھ خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر اور خلق خدا کے فائدے کے لئے انجام دیں۔ مسلمان کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا، ملنا جلنا، لڑنا بھڑنا، کھانا پینا، کمانا اور بیوی بچوں کے ساتھ رہنا۔ دوستوں اور عزیزوں کی خدمت کرنا سب کچھ عبادت ہے اگر وہ اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

انسانی زندگی کے لئے معاشرے کا وجود ناگزیر ہے معاشرہ ہی اس کو قرار و قیام اور بقا و دوام بخشتا ہے۔ اس کے بغیر وہ نہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر سکتا ہے۔ رہبانیت کو اس لئے ہمارے آقا نے اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ زندگی اور معاشرہ سے گریز کو پسندیدہ اور صحت مند رجحان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام کا منشا یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر انسان نیک رہے۔ دنیا سے کنارہ کش ہو جانا مشکل سہی لیکن اس میں کچھ مزہ نہیں ہے، لطف تو جب ہے کہ انسان دنیا میں رہے مگر دنیا کی آلائشوں سے اس کا دامن پاک رہے۔ کانٹوں کے درمیان سے گذرے مگر آپ کا دامن الجھنے نہ پائے تو بات ہے۔

اسلام کی ان تعلیمات کی روشنی میں غور فرمایئے کہ جب وہ زندگی کے معاشری ڈھانچے سے انسان کو جدا کرنا نہیں چاہتا تو پھر اس نے معاشری زندگی کے آداب و اصول بھی ضرور وضع کئے ہوں گے۔ زندگی کا کونسا میدان ایسا ہے جس کو اسلام نے رہنمائی کے بغیر چھوڑ دیا ہے

اسلام نے ہر شعبۂ حیات کے لئے ہمیں رہنما اصول دیئے ہیں۔ تفصیلات میں اس نے ہمیں آزادی دی ہے مثلاً اس نے ہمیں اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ ہم اپنی روزی کے حصول کے لئے ملازمت کا ذریعہ اختیار کریں یا تجارت کا ذریعہ یا صنعت کا وسیلہ۔ اسلام نے حرام وحلال کے حدود بتا دئے ہیں۔ اس نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ان حدود کو توڑ کر چاہے تمہیں بظاہر فائدے نظر آئیں لیکن بالآخر وہ تمہاری اپنی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہوں گے اور تمہارے معاشرے کے بقا کے لئے مضر ثابت ہوں گے۔

اسلام نے جن آداب معاشرت کو ملحوظ رکھا ہے وہ ایک ایسے متوازن خوش حال اور بہتر و برتر معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں جو انسان کی دینی و دنیوی۔ انفرادی و اجتماعی فلاح و نجات کا ضامن ہے۔

انسان کو اپنی زندگی میں بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان لوگوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ ان کے درمیان سکون و عافیت کے ساتھ رہنا۔ ان کے حقوق ادا کرنا۔ ان کے جذبات و احساسات کا لحاظ رکھنا۔ ان کے لئے راحت و مسرت کا سبب بننا اسلامی معاشرت کے آداب میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

ایک سچا اور اچھا مسلمان اپنے والدین سے درشت کلامی نہیں کر سکتا۔ بیوی بچوں کی کفالت سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ ملازم سے آقایانہ برتاؤ نہیں کر سکتا۔ سائل اور مسکین کو جھڑک نہیں سکتا۔ پڑوس کے دکھ درد سے غافل نہیں رہ سکتا وہ اگر بچوں کے پاس سے گذرے تو اس کے چہرے پر تبسم اور باتوں میں مٹھاس ہونی چاہئے۔ اس کو سلام میں پیش قدمی کرنی چاہئے۔ قرض دار کو مہلت دینی، لاچار کی مدد کرنی یتیموں، بیواؤں اور آشفتہ حالوں کی خبر گیری کرنی چاہئے۔

اسلامی آداب معاشرت کی رو سے کسی کی غیبت نہیں کی جا سکتی۔ کسی کے خلاف بدگوئی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا چغل خوری سے اجتناب لازمی ہے۔ دشمن بھی اگر نادم و شرمسار نظر آئے تو اس کی پچھلی زیادتیوں کو فراموش کر دینا ضروری ہے۔

کاروبار اور تجارت میں امانت اور دیانت کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ ناپ تول میں کسی طرح کا ہیر پھیر نہیں کیا جا سکتا۔ بیوی کے حقوق ادا کرنا اولاد کے ساتھ یکساں شفقت و محبت کا برتاؤ، خستہ حال اور پریشان روزگار رشتے داروں پڑوسیوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مراعات برتنا اسلامی آداب معاشرت کے خاص اجزا ہیں۔

غرض اسلام ہمیں ایسے آداب معاشرت دیتا ہے اور ان کی بجا آوری پر اس طرح زور دیتا ہے کہ اگر واقعی ان کی تعمیل کی جائے تو دنیا ایک بار پھر ایک ایسا فلاحی معاشرہ دیکھ سکتی ہے کہ جس کا ذکر اسلامی تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے مگر جس کی جھلک ہمارے موجودہ معاشرے میں کہیں نظر نہیں آتی۔

اسلامی آداب معاشرت کی تعمیل و تکمیل کے لئے جہاں انفرادی کوششوں کی ضرورت ہے وہاں اجتماعی طور پر بھی انہیں روبہ عمل لانے کی سعی و جہد ہونی چاہئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
مدظلہ العالی

# سانحۂ وفات

## حضرت مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امدادیہ دار العلوم تھانہ بھون کے مہتمم، قصبہ تھانہ بھون کے رئیس حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے برادر زادے جنکو ابتداء عمر سے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنی اولاد کی جگہ رکھ کر تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا تھا۔ ۲۸ر رجب ۱۳۸۶ھ ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو بعد مغرب اپنے مکان واقع ناظم آباد کراچی میں اچانک وفات فرما گئے بجبکہ ظہر کے وقت کام میں مشغول تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثۂ فاجعہ سے تمام ہی علمی اور دینی حلقے متاثر ہوں گے خصوصاً تھانوی سلسلہ سے تعلق رکھنے والے حضرات تو آج اپنے ایک امام امیر کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے جو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی خاص نشانی اور ان کی بہت سی خصوصیات کے تنہا وارث تھے۔

اور عجیب اتفاق ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات بھی ۱۶ ر ماہ رجب ۱۳۶۲ھ میں ہوئی تھی اسی ماہ کی ۲۸ کو یہ ان کے جانشین بھی ان سے جا ملے۔

مرحوم کو حق تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی علمی اور عملی کمالات میں جو تفوق ہم سب پر عطا فرمایا تھا اس کی ساتھ وہ عمر میں بھی ہم سے آگے تھے، وہ جب مظاہر علوم سہارنپور میں علوم و فنون حاصل کرنے کے بعد قرآن و حدیث کی تکمیل کے لئے دار العلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں تعلیم پاتے تھے تو میں ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔

مرحوم کا تذکرہ لکھنے کی تو مجھ میں صلاحیت نہیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی[1] تھانوی جو ان کے ہمقرن بھی ہیں اور تھانہ بھون کے تمام کاموں کے ساتھی بھی وہی کچھ تحریر فرما سکتے ہیں، احقر نے ان سے درخواست بھی کی ہے۔ احقر کو بھی مرحوم کی صحبت و معیت اور خلق میں چالیس سال گذرے ہیں سفر و حضر میں معیت رہی ہے ان کی ادائیں یاد تو ہمیشہ آتی رہیں گی مگر ضبط تحریر میں لانا آسان نہیں۔

اس وقت ان کی خصوصیات میں سے دو چیزیں سامنے آگئیں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ اول تو یہ کہ ہر علم و فن میں اعلیٰ استعداد کے مالک ہونے کے باوجود کبھی اپنے آپ کو عالمانہ شان کے ساتھ نہیں رکھا۔ اور صرف زبان سے نہیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ دل سے اپنے آپ کو عالم نہیں سمجھتے، ہم جیسے طالب علموں سے جو ان کے شاگرد کا درجہ رکھتے ہیں ان سے مسائل شرعیہ میں رجوع فرماتے اپنی رائے پر بھروسہ نہ کرتے تھے۔ یہ غایت تقویٰ اور تواضع کا اثر تھا جو ان کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے وراثۃً حاصل ہوا تھا۔

دوسرے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات اور اعلاء السنن جس میں اٹھارہ جلدوں کی ضخیم کتابیں اور احکام القرآن وغیرہ سب کی پہلی طباعت کا مکمل انتظام مولانا موصوف ہی کا کام تھا حضرت کے قلمی مسودات جن میں بکثرت عبارتیں قلم زد ہو کر حواشی پر پیچ در پیچ صورت میں لکھی ہوتی تھی ان کو صحیح پڑھنا بھی ہر ایک کا کام نہ تھا، پھر کاتب سے اس کی کتابت کرانا اور تصحیح کا انتہائی اہتمام کر کے چھپوانا صرف انہیں کی خصوصیت تھی۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت قدس سرہٗ کی تصانیف و مواعظ سے جو عظیم فائدہ

---

[1] حضرت مولانا نے یہ فرمائش منظور کر کے اس موضوع پر ایک مضمون لکھ دیا ہے، البلاغ کے آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے ——— مدیر

امت کو پہنچایا ہے اس میں مولانا شبیر علی صاحبؒ کا خاص حصہ ہے۔

اعلاء السنن حضرت قدس سرہٗ کی حیات میں مکمل نہ ہو سکی تھی مگر بھائی جان مرحوم کو اس کی لگن لگی ہوئی تھی۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ نے اپنی حیات میں تو اس کی طباعت کے مصارف اپنے پاس سے خود اٹھاتے تھے جو پچاس ہزار روپے سے کم نہ ہوں گے اب اس کی طباعت کے وسائل بھی منقطع تھے مولانا مرحوم ہی نے اپنی مساعی جمیلہ سے وفات سے دو سال پہلے اس کی طباعت کو مکمل کرا کر مختلف علماء و مدارس اسلامیہ تک پہنچا دیا اور فن حدیث کا یہ نادر ذخیرہ محفوظ ہو گیا۔

دوسری اہم کتاب احکام القرآن تھی جس کو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنی آخر حیات بلکہ مرض الموت میں شروع کرایا تھا اور تعجیل کے لئے قرآن کریم کی سات منزلوں کو چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ابتدائی دو جلدیں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو اور دو منزلیں مفتی محمد جمیل صاحب تھانوی کو ان کے بعد کی دو منزلیں، پنجم و ششم احقر محمد شفیع کو اور آخری منزل ہفتم مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کو سپرد فرمائی تھی۔ حضرت کی وفات کے وقت تک ایک بڑا حصہ اس تصنیف کا مکمل ہو چکا تھا اور بجز مولانا محمد ادریس صاحب کے حصہ کے باقی سب حصص میں کچھ کام بھی باقی تھا۔

بھائی جان مرحوم نے اعلاء السنن کی طباعت سے فراغت پانے کے بعد اس طرف توجہ فرمائی۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کی تالیف کردہ ابتدائی منزل کو دو جلدوں میں طبع کرا دیا اور آخری منزل مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ کی تالیف کو بھی مکمل طبع کرا دیا۔ میرے حصہ کی منزل پنجم کی ایک جلد مکمل کر کے پریس میں دے چکے تھے، منزل ششم کی کتابت جاری تھی، وفات سے چند روز پہلے ٹیلیفون پر مجھے بتلایا تھا کہ منزل ششم کے آخری اجزاء جو تمہارے پاس ہیں ان کو جلد مکمل کر کے بھیج دو اب اسی جلد کی کتابت ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مکمل کر چکا ہوں عنقریب پہنچا دوں گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہی میری ان سے آخری گفتگو تھی۔ اور ع آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

اب موجودہ جلد ان کی طباعت کا کیا انجام ہو گا اور جن جلدوں کی تکمیل باقی ہے ان کی تکمیل ہو سکے گی یا نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا، دل غمزدہ سے یہ چند سطور بھی بمشکل تحریر میں آسکی ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی مغفرت ظاہرہ و باطنہ سے نوازیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرماویں۔ اللھم أخرہ فی جناتک وروحک وریحانک ولا تحرمنا خیرا بعدہ ۔

## دوسرا سانحہ

مشرقی پاکستان میں پیش آیا کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کے خلیفۂ مجاز اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے بلا واسطہ شاگرد عالم باعمل مدرسہ اسلامیہ جیری ضلع چاٹگام کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالودود صاحب ۶ شعبان ۱۳۸۸ھ کو تقریباً اسی سال کی عمر میں وفات پا گئے، ماشاء اللہ ان کے صاحبزادے بھی اہل علم ہیں دوسرے مدارس میں مشغول درس ہیں حق تعالیٰ ان کو اپنے والد کا صحیح جانشین بنائیں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرماویں اور مرحوم کو مغفرت کاملہ سے نوازیں اور درجات عالیہ عطا فرما دیں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۶ شعبان ۱۳۸۸ھ

دل
کی
دنیا

افادات :- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم
ضبط و ترتیب :- ادارہ

# مقامِ زُہد

## چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن!

"زُہد" کے لغوی معنی ہیں: اپنی کسی مرغوب چیز کو کسی دوسری بہتر چیز کے لئے چھوڑ دینا اسلامی اصطلاح میں زہد کا مطلب ہے آخرت کے لئے دنیا کو ترک کر دینا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ محض "ترک دنیا" کا نام "زہد" نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص بے حسی کی بنا پر دنیا کو چھوڑ دے تو یہ "زہد" نہیں کہلا سکتا۔

پھر آخرت کے لئے بھی جس "ترک دنیا" کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب سمجھنے میں بھی بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، بعض لوگ "زہد" کو "رہبانیت" کا مرادف سمجھنے لگتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ کھانا، پینا، تجارت یا کسب معاش کے ذرائع اختیار کرنا "زہد" کے خلاف ہے حالانکہ اس قسم کی "ترک دنیا" قرآن و سنت کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

ہمیشہ یاد رکھئے کہ ایک تو ہیں دنیا کے مقاصدِ ضرورتیہ جن کے بغیر انسانی زندگی کا بقا ممکن نہیں اور جنھیں حاصل کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، مثلاً بقدر ضرورت کھانا پینا اور حصول معاش کی کوشش ایسی چیزوں کو "حقوقِ نفس" کہا جاتا ہے، اور شریعت نے انسان کے ذمے ضروری قرار دیا ہے کہ "نفس" کے ان "حقوق" کو ادا کیا جائے، اور انہی حقوق کو ترک کرنے کا نام "رہبانیت" ہے جس کی قرآن کریم نے ممانعت فرمائی ہے۔ اور حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

طلب المعاش فریضة بعد الفریضة

"طلبِ معاش فرائض اسلام کے بعد دوسرا فریضہ ہے"

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسی وجہ سے اپنے متوسلین کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی "صحت" کا خاص خیال رکھا کریں، کیونکہ وہ حقوق نفس میں سے ہے اور اگر صحت خراب ہو جائے تو آدمی کچھ نہیں کر سکتا۔

دوسری چیز ہے "حظوظِ نفس" یعنی وہ نفسانی لذتیں جن پر نہ انسان کی بقا موقوف ہے اور نہ ان کی تحصیل انسان کی فطرت میں داخل ہے، انسان انھیں محض اپنی زائد از ضرورت نفسانی خواہشات کی تسکین کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اس قسم کی خواہشات کو ترک کرنے کا نام "زہد" ہے اور یہ اسلام میں مطلوب و محبوب ہے، قرآن و حدیث یا فقہاء و صوفیاء کے کلام میں "ترک دنیا" سے مراد ہمیشہ یہ "زہد" ہی ہوتا ہے۔ "رہبانیت" نہیں۔

صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ "زہد" کے تین درجات ہیں

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ مال و متاع سے دل میں ایسا اعراض اور نفرت ہو کہ کوئی بے مانگے بھی دے جائے تو اچھا نہ لگے۔ مگر اس نفرت کے باوجود اسے بقدرِ ضرورت استعمال کرے، اور ضروریاتِ اصلیہ سے زائد حصے کو چھوڑ دے یہ اعلیٰ مقام سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا، آپؐ نے فرمایا۔

"مالی وللدنیا انما أنا کمثل راکب
استظل تحت شجرة ثم راح وترکہا" (او کما قال)

مجھے دنیا سے کیا کام؟ میری مثال تو اس شہسوار کی سی ہے جو ذرا دیر کے لئے کسی درخت کی چھاؤں لیتا ہے، پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کا معمول کھانے پینے میں یہ تھا کہ بہت تھوڑی مقدار پر اکتفا فرماتے تھے۔ شمائل ترمذی کی متعدد روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی "سیر" ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بعض اوقات ہم مہینوں تک صرف پانی اور کھجور پر اکتفا کرتے تھے۔

(۲) زہد کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی نہ دنیوی مال و متاع سے بالکل نفرت کرتا ہو، اور نہ اس کی کوئی خاص رغبت ہو کوئی زائد از ضرورت چیز بھی مل گئی تو اللہ کا شکر کر کے استعمال کی، اور اگر کچھ نہ ملا تو بھی چنداں رنج و افسوس نہ ہوا،

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کا سارا مال چوری ہو گیا۔ چوروں نے ان کے گھر میں بالکل جھاڑو ہی دیدی ایک چیز نہ چھوڑی، حضرت رح کو پتہ چلا تو چنداں ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ ایک خاص کیفیت میں یہ مصرعہ پڑھا۔

ع ما ہیچ نداریم و غم ہیچ نداریم

اتفاق سے متوسلین کی کوشش سے وہ مالِ مسروقہ دوبارہ مل گیا، تو اس پر بھی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور اسے استعمال کیا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے۔

(۳) زُہد کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو دنیا کی طرف رغبت تو ہو، مگر اس کی فکر میں زیادہ نہ پڑے، اسی وجہ سے دنیا کی محبت اسے اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی یہ درجہ "قناعت" بھی کہلاتا ہے، اسی کو حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

چیست دنیا، از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی سونا چاندی اور بیوی بچے دنیا نہیں، دنیا یہ ہے کہ آدمی کی توجہات اور فکری و عملی توانائیوں کا سارا مرکز یہ چیزیں بن جائیں، اور وہ خدا سے غافل ہو جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص مالدار ہے مگر اس کی دولت اسے اللہ سے غافل نہیں کرتی تو یہ "دنیا" نہیں، اور اگر کسی کے پاس چار ہی پیسے ہیں۔ مگر انہیں میں اس کا دل الجھا ہوا ہے تو یہ "دنیا" ہے اور مذموم ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ بہت بڑے تاجر تھے، ایک شخص ان کی بزرگی کا شہرہ سنکر ان کے پاس بڑی عقیدت کے ساتھ بیعت ہونے کے لئے پہنچا۔ مگر دیکھا کہ ان کے اوقات کا بڑا حصہ تجارت اور کاروبار میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور اس نے اُن بزرگ سے کہا کہ: "حضرت! کیا یہ اتنا بڑا کاروبار زُہد کے منافی نہیں"۔ بزرگ نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا، پھر ایک دن تفریح کے لئے وہ اپنے مرید کو لیکر آبادی سے دور نکل گئے۔ وہیں انھوں نے اچانک مرید سے کہا کہ: "بھائی! حج کرنے کو دل چاہ رہا ہے"۔ مرید نے کہا: "حضرت! دل تو میرا بھی چاہتا ہے"۔ بزرگ نے کہا: "پھر چلو!" اور یہ کہہ کر مکہ مکرمہ کی

سمت چل پڑے، مرید نے کہا: "حضرت! میری ایک چادر شہر میں رہ گئی ہے، ذرا وہ لے آؤں"، اس پر بزرگ نے فرمایا: "تمہیں اپنی چادر کی تو بڑی فکر ہوئی، مگر یہ نہ دیکھا کہ ہمارا کاروبار کس قدر پھیلا پڑا ہے۔ مرید کو اس موقعہ پر تنبیہ ہوا اور اس نے کہا کہ بات سمجھ میں آگئی"

حضرت مولانا رومیؒ نے ایک نہایت دلنشین مثال سے اس کو سمجھایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی مثال کشتی کی سی ہے، اور "دنیا" کی مثال پانی کی سی ہے کشتی کے لئے پانی اس قدر ناگزیر ہے کہ کشتی اس کے بغیر چل ہی نہیں سکتی، اور جبتک پانی کشتی کے اردگرد رہے اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر یہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو وہی کشتی کی تباہی کا سامان بن جاتا ہے، بالکل یہی حال دنیا کا ہے کہ جبتک وہ انسان کے اردگرد رہے تو اس کے لئے رحمت ہے، لیکن اگر انسان کے دل میں داخل ہو جائے تو یہی دنیا انسان کو تباہ کر ڈالتی ہے ؎

آب اندر زیرِ کشتی پشتی است
آب در کشتی ہلاکِ کشتی است

حقیقت یہ ہے کہ اس حکیمانہ مثال سے مولانا رومیؒ نے "دنیا" کی حقیقت اس طرح واضح فرمادی ہے کہ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔ بس! "زہد" کی روح یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہو، خواہ وہ بیوی بچوں کے عین درمیان رہے۔ کسب معاش کی کوششیں بھی کرے، کھائے اور پیئے بھی، آرام اور تفریح بھی کرے، لیکن ان میں سے کسی چیز کی محبت کو اپنے دل پر غالب نہ ہونے دے، اور اسے یادِ خدا کے لئے مخصوص رکھے، اکبر نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیاں، جو گیا سو گیا، جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصتِ عمر ہے کم، جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

ہمارے حضرت مجذوب صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گذرا ہوں، خریدار نہیں ہوں

اس زمانے میں "زہد" کے پہلے دو درجات کو حاصل کرنا مشکل ہے، اور اگر فقر و فاقہ حد سے گذر جائے تو موجودہ حالات میں گناہوں کا سبب بھی بن سکتا ہے، اس لئے محقق صوفیا کا کہنا ہے کہ اس دور میں تیسرے درجے کو حاصل کرنے کی کوشش کیجائے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اپنے متوسلین کو فرمایا کرتے تھے کہ تم سب کے بدلے فقر و فاقہ میں نے کرلیا ہے، تمہارا زہد یہ ہے کہ حلال راستوں سے معاش حاصل کرو، اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

---

(بقیہ مضمون "خواتین اسلام") دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ دوپٹہ چاک فرمادیا اور اپنے پاس سے موٹے کپڑے کا دوپٹہ اڑھادیا (موطا مالک)

مسئلہ: مردوں کو باریک کرتہ پہننا درست ہے مگر نہ پہنیں تو بہتر ہے، اگر پہنیں تو اس کا خیال رکھیں کہ ناف کے نیچے جو پیٹ کا حصہ ہے وہ نیچے بنیان سے ڈھانکا ہوا رہے یا تہبند اور پائجامہ ناف سے ملاکر باندھیں، ناف سے نیچے کا حصہ ستر میں داخل ہے اس کا دکھانا گناہ ہے اور یہ حصہ کھلا ہوا ہو تو نماز بھی نہ ہوگی۔

جامعہ طبیہ اسلامیہ لائل پور
فاضل ماہرین فن اساتذہ کے علاوہ
(منظور شدہ حکومت پاکستان)
جامعہ طبیہ اسلامیہ
کی
خصوصیات
طب اسلامی کی تعلیم احسن انداز پر کہ
متعلم بدن انسانی کے اسرار اور رموز کے علم سے خالق انسان کی معرفت حاصل کرے
راسخ العقیدہ — مسلمان طبیب بنانے کی بھرپور کوشش
نظام تربیت
اخلاقی اعتبار سے — اسلامی زندگی فنی حیثیت سے۔
شناخت ادویہ — دواسازی — تشخیص و تجویز میں مہارت
علمی معیار
عربی تعلیم ۔ قرآن فہمی • طب جدید • طب قدیم۔
عملی تربیت
• دوائی پودوں کی کاشت • تجرباتی مشاہدات • شہد کی مکھیوں کے پالنے
• مشروبات کی تیاری جدید طریق پر • ابریشم کی تیاری • فروٹ کو محفوظ رکھنے — ان شعبوں کی عملی تربیت کا اہتمام • توسیعی لیکچرز
• ماہرین فن خطاب مجلس مذاکرہ۔
یہ خصوصیات ہیں جو
جامعہ طبیہ اسلامیہ کا مابہ الامتیاز ہیں
جن والدین کی خواہش یہ ہو کہ ان کے بچے • باعزت ذریعہ روزگار حاصل کریں اور ان کا ذہن عقیدہ اور فکر و عمل اسلامی ہو
جامعہ طبیہ اسلامیہ لائل پور
بفضلہ تعالیٰ ان کی ان نیک تمناؤں کا مرکز ثابت ہوگا۔
طبی تعلیم کی ایک معیاری اسلامی درسگاہ
جہاں طبی بورڈ کے منظور شدہ چار سالہ نصاب کے تحت
میٹرک پاس طلبہ کیلئے پہلے سال کا
داخلہ شروع ہے
جامعہ طبیہ اسلامیہ
ایسے نوجوانوں کیلئے تعلیم و تربیت کا خصوصی مرکز ہے — جو
کی علمی اور عملی تعلیم کے ساتھ ساتھ
طب اسلامی عربی زبان میں مہارت اور
دینی تعلیم و تربیت کے بھی متمنی ہوں
داخلہ کی درخواستیں بلا تاخیر آنا ضروری ہیں
تفصیلات کیلئے "دستور العمل" جامعہ طبیہ اسلامیہ مفت طلب فرمائیں
حکیم عبدالرحیم اشرف جامعہ طبیہ اسلامیہ جناح کالونی ۔ لائل پور

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
بلند شہری

# خواتینِ اسلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

**تیئسویں حدیث** ۲۳

وَعَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَاَعْطَانِيْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ اَحَدَهُمَا قَمِيْصًا وَاَعْطِ الْاٰخَرَ امْرَاَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهٖ فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَأْمُرِ امْرَاَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَا يَصِفُهَا۔ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۶)

**ترجمہ**

حضرت دحیہ بن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (مصر کے بنے ہوئے) قبطی کپڑے لائے گئے، ان میں سے آپ نے ایک کپڑا مجھے عنایت فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا، ایک ٹکڑے کا اپنا کرتہ بنا لینا اور ایک اپنی بیوی کو دینا وہ اس کا دوپٹہ بنا لے گی، جب میں رخصت ہو کر چل دیا تو آپ نے فرمایا (کہ چونکہ یہ باریک کپڑا ہے اس لئے) اپنی بیوی سے کہنا کہ اس کے نیچے ایک کپڑا اور لگا لیوے تاکہ (باریک) دوپٹہ کے نیچے کا نظر نہ آنے پائے (ابوداؤد شریف)

**تشریح**

عورت کے لئے باریک کپڑے پہننا منع ہے لیکن آجکل عورتوں میں باریک کپڑے پہننے کا فیشن ہو گیا ہے، دوپٹہ، کرتہ، فراک وغیرہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ سارا بدن نظر آتا ہے، پھر جو بالکل ہی بے حیا ہیں وہ تو اسی طرح باہر نکل جاتی ہیں اور مارکیٹوں میں سامان خریدتی پھرتی ہیں اور جن میں کچھ شرم ہے وہ اس طرح بازار میں تو نہیں جاتیں مگر ان ہی باریک کپڑوں میں جیٹھ، دیور اور ماموں، پھوپی کے لڑکوں اور گھروں میں کام کرنے والے نوکروں کے سامنے بے تکلف پھرتی رہتی ہیں، اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے تو یہ رونا تھا کہ عورتیں ماموں، پھوپی اور تایا چچا کے لڑکوں کے سامنے چہرہ کھولے آجاتی ہیں جو شرعاً سخت گناہ ہے مگر اب ...... چہرہ چھوڑ باریک کپڑوں کی وجہ سے اوپر کا پورا آدھا بدن ان کے سامنے کھولے پھرتی ہیں اور برقعہ میں نقاب ایسا اختیار کر لیا ہے جو خوب باریک جالی کا ہوتا ہے اور پورا چہرہ راستے کے چلنے والے سب مردوں کو نظر آتا ہے یہ سب باتیں شرعاً سخت گناہ ہیں۔

یہ تو پردہ کے اصول پر بات ہوئی۔ اب نماز کے بارے میں جو کوتاہی ہوتی ہے اس کو سمجھ لیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کا سارا بدن عورت ہے یعنی عورت کی نماز درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کے چہرہ اور گٹوں تک

دونوں ہاتھ اور دونوں قدموں کے علاوہ پورا جسم ڈھانکا ہوا ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر عورتوں کی نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ سر پر ایسا باریک دوپٹہ ہوتا ہے جس میں سب بال نظر آتے ہیں، اور بعض عورتوں کی نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ آدھی آستینیں کھلی ہوتی ہیں یا اگر ڈھانکی ہوئی ہیں تو اسی باریک دوپٹے جس سے سب کچھ نظر آتا ہے، بعض عورتیں ساڑھی باندھتی ہیں اور بلاؤز اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ناف پر ختم ہوجاتا ہے اور آدھا پیٹ نظر آتا ہے اس طرح نماز نہیں ہوتی اس کو خوب سمجھ لیں، اگر باریک کپڑا پہنا جائے تو عورت کو چاہئے کہ اس کے نیچے دوسرا موٹا کپڑا پہن لیوے اور باریک دوپٹہ کے نیچے موٹا کپڑا لگا لیوے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو حکم دینا کہ باریک دوپٹہ کے نیچے دوسرا کپڑا لگا لیوے تاکہ سر نظر نہ آئے۔ باریک کپڑا پہننے والی عورتوں کو حدیث شریف میں ننگی عورتیں بتایا گیا ہے مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ،

صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُوْسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيْحَهَا

دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا (کیونکہ ابھی ان کا ظہور نہیں ہوا ہاں میرے بعد ظاہر ہوں گے) ایک گروہ ان لوگوں کا جن کے پاس ایسے کوڑے ہوں گے جیسی بیلوں کی دُمیں ہوتی ہیں، ان کوڑوں سے (ظلماً) لوگوں کو ماریں گے، دوسرا گروہ ان عورتوں کا جو پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی، یہ (شوہر کے علاوہ دیگر مردوں کو اپنی طرف) مائل کریں گی اور خود مائل ہونے والی ہوں گی اُن کے پھلائے ہوئے سر ایسے ہوں گے جیسے بڑے بڑے اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہان ہوتے ہیں، یہ عورتیں نہ جنت میں داخل ہوں گی نہ اس کی خوشبو سونگھیں گی۔

اس حدیث میں کپڑا پہننے کے باوجود ننگی فرمایا کیونکہ جو کپڑا چھوٹا ہو جس سے سینہ، ناف، بازو، پنڈلیاں پیٹ ڈھکتا ہو یا جو کپڑا باریک ہو جس سے سر اور دوسرے اعضا نظر آتے ہوں اس کا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا آجکل ہو بہو آنکھوں کے سامنے ہے۔ دیکھو کیسی سخت وعید ہے کہ اس طرح کی عورتیں (جکا اوپر حدیث میں ذکر ہوا) جنت میں جانا تو درکنار اس کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

یعنی اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں

اس سے معلوم ہوا کہ دوپٹے سے سینہ ڈھانکنے کا اہتمام کرنا بھی لازم ہے اور آجکل اس کی اہمیت اور زیادہ ہے کیونکہ فراک اور جمپر ایسے چلے ہیں کہ نصف سینہ اور نصف کمر کے قریب کھلا رہتا ہے، صحابی عورتوں کو پردہ اور شرعی لباس کا بہت اہتمام تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ رحم فرمائے ان عورتوں پر جنھوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت کی تھی۔ جب اللہ تعالےٰ نے آیت وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ نازل فرمائی تو انھوں نے اپنی موٹی چادروں کو کاٹ کر دوپٹے بنا لئے (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن داخل ہوئیں جو باریک

(بقیہ بر ص ۵۴)

مولانا محمد رفیع عثمانی

# آپ کے سوال

---

**کرم اللہ وجہہ**

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے آپ اس دعا کے ساتھ کیوں مخصوص ہیں۔ یہ جملہ سب سے پہلے کس نے کہا اور کیوں کہا؟

محمد مجتبیٰ از مانسہرہ، ہزارہ

ہمیں تاریخ و سیر کی کتابوں میں اس کا جواب نہیں ملسکا البتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب جو امداد الفتاویٰ میں دیا ہے ہم وہ بعینہٖ نقل کئے دیتے ہیں۔

بعض علماء سے سنا ہے کہ خوارج نے آپ کے نام مبارک کے بعد سَوَّدَ اللہ وَجْھَہٗ بڑھایا تھا، اس کے جواب کے لئے "کَرَّمَ اللہُ وَجْھَہٗ" عادت ٹھہرائی گئی، اور ایک بزرگ سے یہ سنا تھا کہ چونکہ آپ عہدِ طفلی میں اسلام لے آئے آپ کا وجہ (چہرہ) مبارک بت کے سامنے نہیں جھکا اس لئے یہ کہا جاتا ہے۔

(ص ۳۲۸ ج ۴)

**خواتین کا تنہا سفرِ حج**

عورتوں کو حج فرض ادا کرنے کے لئے بغیر مرد کے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

آفتاب مہدی نظامی ڈیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے شوہر یا محرم (ایسا مرد جس سے اس کا نکاح ناجائز ہے) کے بغیر سفر کرنے سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ اِمْرَأَۃٌ اِلَّا وَمَعَھَا مَحْرَمٌ، فقال رجل یا رسول اللہ اُکْتُتِبْتُ فِیْ غَزْوَۃِ کَذَا وَکَذَا وَخَرَجَتْ امْرَأَتِیْ حَاجَّۃً؟ قَالَ اِذْھَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِکَ۔

(مشکوٰۃ ص ۲۲۱ ج ۱ کتاب الحج)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے تنہائی میں ہرگز نہ ملے۔ اور کوئی عورت ہرگز سفر نہ کرے سوائے اس صورت کے کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ تو ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا نام فلاں فلاں جہاد کے لئے لکھ دیا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جا رہی ہے؟ تو آپ نے

فرمایا کہ جاؤ تم اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔

معلوم ہوا کہ عورت کو اپنے شوہر یا محرم کے بغیر کوئی سفر کرنا جائز نہیں، خواہ وہ حج ہی کے لئے ہو اسی لئے فقہائے کرام نے صراحت کی ہے کہ عورت پر اس وقت تک حج فرض ہی نہیں ہوتا جبتک کہ اس کے پاس اپنا اور اپنے محرم کا سفر خرچ موجود نہ ہو۔ تاکہ عورت اپنے خرچ پر محرم یا شوہر کو اپنے ساتھ لیجا سکے۔

اگر کسی عورت کے پاس اپنے اور محرم کے خرچ کی برابر روپیہ تو موجود ہو مگر شوہر یا کوئی محرم میسر نہیں جو اس کے ساتھ جا سکے تو ایسی صورت میں عورت پر حج کا نفس وجوب تو ہو جائے گا مگر جب تک کوئی محرم ساتھ جانے والا نہ ہو ادائیگی واجب نہ ہوگی اس لئے وہ روپیہ محفوظ رکھے اور جب کوئی محرم ساتھ جانے والا مل جائے اس کے ساتھ حج کرلے، اور اگر اخیر عمر تک نہ ملے تو عورت کے ذمہ واجب ہے کہ وصیت کر جائے کہ میری طرف سے حج بدل کرا دیا جائے۔

اور اگر زندگی ہی میں بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے ایسی حالت ہوگئی کہ اگر محرم بھی ساتھ جانے والا مل جائے تو سفر نہ کرسکے تو ایسی صورت میں وہ اپنی زندگی میں بھی حج بدل کرا سکتی ہے، بہرحال تنہا سفر جائز نہیں۔

(امداد الفتاویٰ جلد دوم ص ۱۲۸ کتاب الحج بحوالہ فتاویٰ شامیہ)

## خواتین کو لکھنے کی تعلیم

لڑکیوں کو لکھنا سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

پردہ میں رہتے ہوئے جائز ہے، بلکہ اس زمانہ تو اس کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ دین سیکھنے کا ذریعہ اب صرف کتابیں رہ گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو مامور فرمایا تھا کہ وہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھنا سکھا دیں۔ (ابو داؤد)

البتہ مخلوط تعلیم، بے پردگی، اور اسی طرح کی دوسری خرافات جو آجکل تعلیم کے لئے لازم سی سمجھی گئی ہیں ان سے بچانا بہرحال واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

## خواتین کی نماز باجماعت میں شرکت

عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مختصر جواب تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا بالاتفاق ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ عورتوں کو عہد رسالت میں مندرجۂ ذیل شرائط کے ساتھ نماز کے لئے مسجد آنے کی اجازت تھی۔

**شرائط** (۱) خوشبو لگا کر نہ آئیں (۲) بن سنور کر نہ آئیں (۳) راستہ کے بیچوں بیچ نہ چلیں (۴) رات میں آئیں دن میں نہیں (۵) پردہ کے ساتھ آئیں (۶) عورتوں کی صف سب سے آخر میں (۷) عورتیں مسجد سے پہلے نکلیں اور مرد بعد میں (۸) کسی بھی مرحلہ میں مردوں کے ساتھ اختلاط لازم نہ آئے۔ (۹) بعض حالات میں یہ تاکید بھی ہوتی تھی کہ عورتیں سجدہ سے اس وقت تک سر نہ اٹھائیں جب تک کہ مرد سجدہ سے نہ اٹھ جائیں۔

جن احادیث میں یہ شرائط و ہدایات بیان کی گئی ہیں وہ ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

۱۔ پہلی شرط کے بارے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے فرمایا کہ

اذا شهدت احداكن المسجد فلا تمس طيبا رواہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۹۶ ج ۱)

جب تم میں سے کوئی مسجد آئے تو کسی قسم کی خوشبو نہ لگائے۔

۲۔ دوسری شرط کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

يا ايها الناس انهوا نساءكم عن لبس الزينة والتبختر في المسجد (ابن ماجہ)

اے لوگو! تم اپنی عورتوں کو مسجد میں زینت کے لباس اور نازو انداز سے چلنے پھرنے سے روکو۔

۳۔ تیسری شرط کے بارے میں مسجد آنے والی خواتین کو فرمایا۔

ليس لكن ان تحققن الطريق عليكن بحافات

الطریق، فکانت المرأۃ تلصق بالجدار حتی ان ثوبھا لیتعلق بالجدار

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰۵ ج ۲)

تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستہ کے درمیان میں چلو، راستہ کے کناروں پر چلا کرو (راوی کہتے ہیں) اس کے بعد عورتیں دیوار سے لگ کر چلا کرتی تھیں حتی کہ ان کے کپڑے دیوار میں اٹکنے لگ گئے۔

۴ - چوتھی شرط اس طرح بیان فرمائی کہ

اذا استاذنکم نساءکم باللیل الی المسجد فاذنوا لھن

(بخاری ص ۱۱۹ ج اول)

جب تم مردوں سے تمہاری عورتیں رات کو مسجد جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دو۔

اس میں آپ نے اجازت کو رات کے ساتھ مشروط کیا ہے جن بعض روایات میں رات کا ذکر اختصاراً ترک کر دیا گیا ہے ان میں بھی قواعد کی رُو سے یہ شرط مراد لی جائے گی، شارحین حدیث نے اس کی صراحت کی ہے۔

۵ - پانچویں شرط قرآن حکیم میں مذکور ہے جو ہر حالت کیلئے ہے خواہ گھر سے نماز کے لئے نکلیں یا کسی اور کام سے۔

ارشاد باری ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجک وبناتک ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن۔

اے نبی اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور تمام مومنین کی عورتوں سے کہدیجئے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں تھوڑی سی لٹکا لیا کریں۔

یعنی علاوہ بدن ڈھانپنے کے اپنے چہروں پر بھی چادر ڈال لیا کریں، چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

"عورتیں جب صبح کی نماز پڑھ کر واپس جاتی تھیں تو چادروں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ تاریکی میں پہچانی نہیں جاتی تھیں" (بخاری ص ۱۲۰ ج ۱)

بعض روایات میں ہے کہ "مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی" (حاشیہ ترجمہ قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح)

۶ - چھٹی ہدایت کے الفاظ یہ ہیں۔

خیر صفوف النساء آخرھا وشرھا اولھا۔ (مسلم ص ۱۸۲ ج ۱)

عورتوں کی سب سے اچھی صف آخری صف ہے۔ اور سب سے بری صف پہلی صف ہے۔

۷ - ساتویں شرط کے بارے میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

ان النساء فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن اذا سلمن من المکتوبۃ قمن وثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن صلی من الرجال ماشاء اللہ فاذا قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام الرجال

(بخاری ص ۱۱۹ ج اول)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں فرض نماز سے سلام پھیرتے ہی اٹھ کر چلی جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مرد بیٹھے رہتے تھے۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی اٹھ جاتے۔

۸ - آٹھویں شرط کے بارے میں ابوداؤد اور بیہقی کی

روایت ہے کہ

عن ابی اسید ؓ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وھو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء فی الطریق، فقال استأخرن فانہ لیس لکن ان تحققن الطریق۔

(مشکوٰۃ ص ۴۰۵ ج ۲)

ابو اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد سے نکل رہا تھا کہ نکلتے وقت مرد اور عورتیں غلط ملط ہوگئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم راستہ کے وسط میں چلو۔

۹ — نویں ہدایت کے بارے میں حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ۔

لقد رأیت الرجال عاقدی ازرھم فی اعناقھم مثل الصبیان من ضیق الازر خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قائل یا معشر النساء لا ترفعن رؤسکن حتی یرفع الرجال۔

(مسلم ص ۱۸۲ ج اول)

میں نے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اس حالت میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے تہبند کی گرہ گلے میں باندھ رکھی تھی کیونکہ تہبند چوڑائی میں زیادہ نہیں تھے تو کسی نے یہ اعلان کیا کہ اے خواتین تم سجدہ سے اپنے سر اس وقت تک نہ اٹھاؤ جب تک کہ مرد سجدے سے نہ اٹھ جائیں۔

عہد رسالت میں ان تمام احتیاطی انتظامات اور پابندیوں کے باوجود بھی عورتوں کو ترغیب اسی کی دی جاتی تھی کہ وہ نماز مسجدوں کے بجائے گھروں میں ادا کیا کریں چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تمنعوا نساءکم المساجد۔ وبیوتھن خیر لھن

رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ ص ۹۶)

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنی عورتوں کو مساجد کو نہ روکو، لیکن ان کے لئے گھر مسجدوں سے بہتر ہیں۔

ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہ رضؓ سے ہے کہ

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا فی حجرتھا وصلوٰتھا فی مخدعھا افضل من صلوٰتھا فی بیتھا۔ رواہ ابوداؤد

(مشکوٰۃ ص ۹۷ ج ۱)

عورت کا اپنے کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور کوٹھری میں نماز پڑھنا کمرے میں پڑھنے سے افضل ہے۔

تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو مسجد میں آنے سے بالکلیہ منع نہیں کیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ عہد رسالت نزول وحی کا زمانہ تھا روز ہی نئے نئے احکام شریعت نازل ہوتے تھے جنھیں جاننے کا بہترین ذریعہ نماز باجماعت کی حاضری تھی کیونکہ عموماً آپ نماز سے پہلے یا بعد میں لوگوں کو شرعی احکام کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

نیز یہ دور انسانی تاریخ کا بہترین دور تھا جس میں فتنے اور معاشرتی برائیاں اتنی مغلوب ہوگئی تھیں کہ نہ ہونے کے برابر تھیں۔

### ممانعت کے اسباب

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حالات بدلنے لگے، ایک طرف تو علم دین اتنا پھیل گیا کہ سیکھنے کے لیے عورتوں کو مسجد میں آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، گھر گھر دینی علوم کے چرچے تھے۔ دوسری طرف معاشرتی برائیاں بھی ظاہر ہونے لگی تھیں، کہ

نہ عورتوں میں اس درجہ کی احتیاط باقی رہی تھی نہ مردوں میں۔ ظاہر یہی تھا کہ اب ان تمام شرائط اور قیود کی پوری رعایت نہ ہو سکے گی جن کے ساتھ خواتین کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

لَوْ اَدْرَکَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ ما احدث النساء لَمَنَعَهُنَّ المسجد کما مُنِعَتْ نساء بنی اسرائیل۔

(بخاری ص ۱۲۰)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے وہ حالات دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کر دیئے ہیں تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے ضرور روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

انہی اسباب کی بنا پر عہد صحابہ رض ہی میں عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا گیا تھا، البتہ ایسی بوڑھی عورتیں جن کے بارے میں کسی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ان کو نہیں روکا گیا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رح نے بھی ایسی بوڑھی عورتوں کے بارے میں کہا ہے کہ وہ رات کی نمازوں میں مسجد آسکتی ہیں۔

**فتویٰ** لیکن فقہائے متاخرین نے فتوے اس پر دیا ہے کہ اب بوڑھی عورتوں کے لئے بھی نماز کیلئے مسجد میں آنا مطلقاً ممنوع ہے، نہ دن میں جائز ہے نہ رات میں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رض کے ارشاد سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت میں اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ فتنہ کا خوف نہ ہو، لہٰذا جس صورت میں فتنہ کا خوف ہو گا اسے ناجائز ہی قرار دیا جائے گا۔ اور اس زمانہ میں حالات اتنے بگڑ چکے ہیں فساد و فجار کی درندگی اور دیدہ دلیری سے معمر خواتین بھی مامون نہیں رہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

محمد معروف

# یہ مغربی تہذیب ہے

## تہذیب کے مرکز میں حیا ناچ رہی ہے

**تہذیب کے مرکز میں حیا ناچ رہی ہے —!**

نیویارک ۱۵ جولائی (اے پی پی) امریکی قوم اخلاقی اور تہذیبی حیثیت سے دیوالیہ ہو گئی ہے، اور اب اس قوم میں کسی قسم کی اعلیٰ تہذیبی اقدار باقی نہیں رہی ہیں اس کی تازہ ترین مثال دو جوان سال مردوں اور دو جوان سال عورتوں کے برہنہ رقص سے ملتی ہے جو کل رات انھوں نے نیویارک کے مشہور تجارتی مرکز وال اسٹریٹ میں کیا بتایا جاتا ہے کہ یہ نوجوان مرد اور عورتیں جارج واشنگٹن کے مجسمہ کے قریب اسٹاک ایکس چینج جانے والی سڑک پر دس منٹ تک عریاں رقص کرتے رہے، غیر ملکی سیاحوں نے انھیں اس عالم مستی میں دیکھا لیکن وہ پولیس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی کپڑے پہن چکے تھے۔ —— (حریت ۱۵ر جولائی ۶۸ء)

## تیس منٹ میں ساڑھے چھ بوتل بیئر پی گیا

ویسٹ اسٹاڈ (مغربی جرمنی) ۲۹ر جولائی (پ۔ پ۔ اے۔ اے۔ پ)

مغربی جرمنی کے ایک پچیس سالہ مزدور کریچین کراس نے کل بیئر (شراب) پینے کا غیر سرکاری عالمی مقابلہ جیت لیا وہ تیس منٹ میں ساڑھے سات لٹر یعنی ساڑھے چھ بوتل بیئر پی گیا، اس نے بڑی آسانی کے ساتھ یادیر بلاوالوں کو شکست دیدی جو بلا نوشی میں مشہور ہیں مقابلے میں دوسرے نمبر پر جو شخص آیا اس نے آدھے گھنٹہ میں صرف آٹھ پینٹ یعنی کوئی چار بوتلیں بیئر پی —— (جنگ ۳۱ جولائی ۶۸ء)

## ٹیلیویژن پروگرام دیکھ کر خودکشی کرلی

شکاگو ۱۲ اگست (اے پ، اے پ ا) ایک دس سالہ بچے رابرٹ ڈکسن کو ہفتہ کے روز سونے کے کمرہ میں مردہ پایا گیا، ڈکسن نے کمر کی پیٹی کو کپڑا لٹکانے کی تار کے گرد لپیٹ کر اس کے دوسرے سرے کا پھندا بنا کر گلے میں ڈال رکھا تھا ڈکسن کی موت کا سب سے پہلے اس کے والد کو پتہ چلا، تحقیقات کے دوران ڈکسن کے دادا اور دادی نے پولیس کو بتایا کہ جمعہ کی رات کو سونے کے لئے جانے سے پہلے ڈکسن نے ٹیلی ویژن پر ایک پروگرام دیکھا تھا جس میں ایک شخص کو گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ —— (جنگ ۲۳ر اگست)

محمد علی
سال ششم دار العلوم کراچی

# امام زفر بن ھذیلؒ

**مجتہد مطلق** امام زفرؒ اپنی تحقیق و استنباط میں مجتہد مطلق کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ کی طرف نسبت کرتے تھے، اور امام صاحب کے اقوال کی بڑی عظمت کرتے تھے۔ امام زفر مجتہد فی المذہب تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ امام زفرؒ امام صاحب کے اقوال کی اس جگہ موافقت کرتے جہاں پر ان کو ان اقوال کے دلائل اور ماخذ پر پوری پوری واقفیت اور بصیرت ہو جاتی تھی بغیر تقلید سے کام نہیں لیتے تھے۔ اور جب تک ان اقوال کے دلائل پر مطلع نہ ہو جاتے تھے موافقت نہ کرتے تھے۔

ابو عاصم ضحاک فرماتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ میں جس قول میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کرتا ہوں۔ وہ امام صاحب ہی کا کوئی قول ہوتا ہے۔ ابو عاصم نے کہا کہ امام زفر فرماتے تھے کہ میرے جمیع اقوال امام صاحب ہی کے اقوال ہوتے ہیں جو انھوں نے پہلے کہے تھے۔ پھر اس کے بعد امام صاحب اور کچھ دقائق پر واقف ہوئے تھے جن تک ہماری رسائی نہیں ہوئی تھی۔ اس اعتبار سے امام صاحب اپنے پہلے اقوال کے خلاف کرتے تھے۔ اور ہم ان دقائق کی عدم واقفیت کی وجہ سے پہلے اقوال پر جمے رہتے تھے۔ امام زفر فرماتے تھے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ان کے کسی قول کے خلاف کرنے کی مجھے جرأت و ہمت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی میں نے ان کی زندگی میں ان کے کسی قول کے خلاف کیا اور اپنی تائید میں کوئی دلیل پیش کی تو اسی وقت امام صاحب ہمارے سامنے ایسی مضبوط اور واضح دلیل پیش کرتے تھے۔ کہ اس دلیل کو مان کر ان کے قول کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے اقوال کے خلاف کیسے کروں؟ جن باتوں میں امام زفرؒ امام صاحب کے اقوال کی موافقت کرتے تھے وہ تقلید کے طور پر نہیں بلکہ اُن کے دلائل پر جب اطمینان کلی ہو جاتا تھا تب ان مسائل میں امام صاحب کی موافقت کرتے تھے ورنہ جن دلائل کا علم اور اطمینان نہیں ہوتا تھا تو اس صورت میں اپنی دلیل پر قائم رہتے تھے یہی اجتہاد کے معنی ہیں، اور خود امام صاحب دوسروں کو اندھا دھند تقلید سے منع فرماتے تھے۔ اور ان کو حکم کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو دلیل ہو۔ اس کو بیان کرو، تاکہ اس میں بحث مباحثہ کرنے کے بعد حق واضح ہو جائے۔ دلائل قائم کرنے اور مسائل کی تحقیق میں امام صاحب کے شاگردوں کو ایک بڑا مقام حاصل تھا بلکہ امام صاحب تو یہ فرماتے تھے کہ کسی کے لئے میرے قول پر فتویٰ دینا اس وقت تک حلال نہیں۔ جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس قول کا ماخذ کیا ہے۔

### اشکال کا جواب

ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے امام زفرؒ کو کہا کہ یہ حدیث ہے۔ "الحدود تندرئ بالشبہات" اور آپ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ادنیٰ شبہ سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں، حالانکہ بعض موقعوں میں آپ حضرات قوی شبہ موجود ہونے کے باوجود بھی حدود کو ساقط نہیں کرتے؟ امام زفرؒ نے فرمایا کہ بھئی وہ قوی شبہ کیا ہے؟ ابن مہدی نے عرض کیا۔ کہ آپ حضرات کافر کے بدلے میں مسلمان کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہیں، حالانکہ صاف حدیث موجود ہے۔ کہ "لا یقتل مومنٌ بکافرٍ ...... الخ" اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس اس حدیث کی وجہ سے مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کرنے میں یقیناً قوی شبہ موجود ہے پھر بھی آپ حضرات اس شبہ کا لحاظ کئے بغیر حدود قائم کرتے ہیں یعنی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کرنے کا حکم کرتے ہیں۔ اس پر امام زفرؒ نے فرمایا کہ "آپ شاہد رہئے کہ میں اس مسئلہ میں رجوع کرتا ہوں" لیکن امام صاحب کے مذہب کے بھی بہت سے قوی دلائل موجود ہیں۔ اجلہ صحابہؓ جیسے حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور خلیفہ پنجم حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ جیسے حضرات کے آثار موجود ہیں، کہ ان حضرات نے کافر معاہد" کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا۔ نیز بہت سے احادیث مرسل بھی امام صاحب کی تائید میں موجود ہیں، علاوہ ان باتوں کے حدیث مذکورہ "لا یقتل مومن بکافر" میں کافر سے مراد کافر حربی ہے جن سے کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس حدیث کا دوسرا جملہ اس کا شاہد ہے ــــــــ "ولا ذو عہدٍ فی عہدہٖ" یعنی جیسے مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائیگا اسی طرح ذمی کو بھی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اب اس حدیث کے دوسرے ٹکڑے کو پہلے ٹکڑے کے ساتھ ملانے سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ پہلی حدیث میں جو کافر کا ذکر آیا ہے اس سے "کافر حربی" مراد ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ذمی کو بھی قتل کے معاملے میں مسلمان کا درجہ دیا ہے جب ہی تو اس پر عطف کر کے کہا گیا ہے "ولا ذو عہدٍ فی عہدہٖ"

### بصرہ کی ججی

حافظ عبد القادر قرشی فرماتے ہیں کہ ابو عمر نے کہا کہ امام زفر بڑے عقلمند، متین، زیرک اور بڑے متقی پرہیزگار تھے۔ اور فن حدیث میں بھی رجال ثقات میں شمار ہوتے تھے۔ ابو نعیم نے بھی کہا ہے کہ امام زفر فن حدیث میں ثقہ، پرہیزگار اور متقیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ابن عبد البر نے اپنی کتاب "استغناء" میں لکھا ہے کہ زفر، ابو حنیفہ کے کبار اصحاب میں شمار ہوتے تھے اور یہ کہا جاتا تھا کہ امام زفرؒ ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے قیاس میں سب سے اونچا مقام رکھتے تھے

امام زفر اپنے بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ تشریف لائے اور اہل بصرہ نے پھر آپ کو نہ جانے دیا۔ اور امام زفر بصرہ کے قاضی ( ) مقرر کر دیئے گئے۔ جب امام زفر بصرہ کے قاضی مقرر ہو گئے تو وہاں کے علماء سے فقہ، اصول فقہ میں بات چیت کرتے۔ اور جب امام زفر اپنے کسی قول کی مقبولیت اور اس کی استحسان وعظمت ان علماء کے دلوں میں محسوس کرتے تو فرماتے تھے کہ یہ قول میرے استاد امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ کہتے کہ کیا ابو حنیفہ اس قسم کی ایسی اونچی بات کہہ سکتے ہیں تو امام زفر فرماتے کہ ہاں اس سے بھی زیادہ عمدہ عمدہ، اچھی اچھی باتیں فرماتے ہیں اسی طرح جب کبھی اپنے قول کی مقبولیت اور اس کی پختگی ان حضرات میں محسوس کرتے تو فرماتے یہ میرے استاد امام ابو حنیفہ کا قول ہے اس پر یہ علماء بڑا تعجب کرتے تھے کافی عرصہ تک اسی طرح امام زفرؒ اپنی حکمت عملی سے کام لیتے رہے یہاں تک کہ ان حضرات میں سے جو حضرات امام صاحب کے کٹر دشمن تھے وہ امام صاحب کے جان نثار دوست بن گئے، اور جو لوگ امام صاحب کی شان میں بدزبان تھے وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے۔ امام زفر امام صاحب کی وفات کے بعد جانشین ہوئے، پھر امام زفرؒ

کے بعد امام یوسف رح اور امام ابو یوسف رح کے بعد امام محمد رح
جانشین ہوئے۔

**دنیا سے بے رغبتی** ابراہیم بن سلیمان فرماتے ہیں کہ ہم جب امام زفر کی مجلس میں بیٹھتے تھے
تو ہم میں سے کوئی ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ نہیں کر سکتا تھا
اگر کوئی ان کے سامنے دنیا کا تذکرہ کرتا تو وہ فوراً اس مجلس
سے اٹھ کر چلے جاتے تھے اور ہمارے درمیان یہ بات بالکل
مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ کے خوف نے امام زفرؒ کو قتل کر دیا ہے
اسی وجہ سے صرف اڑتالیس برس کی عمر میں اتنی جلدی وفات ہو گئی۔

**سیر چشمی** ایک دفعہ امام زفر رح یزید ابن مہلب کے پاس ملنے کے لئے تشریف لائے، اور اپنے ساتھ پچاس اونٹ کے
بوجھ کے برابر سامان بطور ہدیہ ساتھ لائے۔ اندر اطلاع کروائی
یزید ابن مہلب اسکے بیٹے مخلد آئے۔ اور امام زفر کو اپنے ہمراہ
اپنے والد صاحب کے پاس لے گئے۔

امام زفر:۔ السلام علیکم، میں آپ کے لئے یہ پچاس
اونٹ کا بار لایا ہوں۔

یزید ابن مہلب:۔ میں آپ کی خدمت میں سو اونٹ
کا بار پیش کرتا ہوں قبول فرمایئے۔

امام زفر:۔ آپ کی شان اس سے بلند ہے۔ کہ آپ کے
علاوہ کسی سے مدد طلب کی جائے یا آپ سے مدد طلب کیجئے
اور میں اس میں سے ہرگز کچھ بھی نہ لوں گا۔

یزید ابن مہلب:۔ کیا وجہ ہے؟

امام زفر:۔ اگر میں نے یہ مال قبول کر لیا، تو مجھے اس
مال سے کئی گنا زیادہ اپنی آبرو کو قربان کرنا پڑے گا۔

یہ کہکر آپ فوراً نکل گئے اور اس مال میں سے کچھ بھی
قبول نہ کیا۔ امام زفر کا عطیہ جزیل قبول نہ کرنا۔ ان کی سیر چشمی
اور اعلیٰ حوصلگی پر دلالت کرتا ہے۔

**بہترین استاد** ملیح ابن وکیع فرماتے ہیں کہ میرے والد فرماتے تھے کہ امام ابو حنیفہ رح
کا جب انتقال ہو گیا تو لوگ امام زفر کی طرف متوجہ ہوئے
اور امام ابو یوسف کے حلقہ درس میں اکا دکا آدمی آتے تھے۔

**دوسرا نکاح** بصرہ میں جب امام زفر رح کے بھائی کا انتقال ہوا تو امام زفر بصرہ تشریف
لائے، پھر اہل بصرہ نے جانے نہ دیا۔ اور بصرہ ہی میں
بود و باش اختیار کرنے پر زور دیا، امام زفر نے بصرہ میں
بود و باش اختیار کر لی اور بیوہ بھاوج سے نکاح کر لیا۔

**وفات اور وصیت** کچھ عرصہ بعد بصرہ میں صرف اڑتالیس برس کی عمر میں شعبان ۱۵۸ھ
شنبہ ۸ اپریل ۷۷۵ء میں آپ کی وفات ہوئی، مرض الموت میں
امام ابو یوسف رح اور دوسرے حضرات ان کی عیادت کے لئے
آئے، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ آپ کوئی وصیت نہیں فرماتے؟
امام زفر نے فرمایا یہ جو مال و متاع آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب میری
بیوی کا ہے، اور یہ تین ہزار درہم میرے بھتیجے کے ہیں۔ نہ مجھ پر کسی کا
قرض ہے۔ اور نہ میرا کسی پر قرض ہے۔

**تین درہم** بشیر ابن قاسم فرماتے ہیں کہ جب امام ابن زفر کا آخری وقت
آیا تو آپ نے فرمایا، کہ میں اپنے بعد کوئی ایسی چیز نہیں
چھوڑ رہا ہوں جس پر مجھے قیامت کے دن حساب کا اندیشہ ہو، جب انتقال ہو گیا
تو انکے ذاتی مال کی قیمت لگائی گئی تو وہ تین درہم کو بھی نہیں پہنچی تھی۔

---

حدیث: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں بندوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو افطار میں سب سے
زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ یعنی غروب ہوتے ہی فوراً افطار کرتا ہے اور اسے اس میں جلدی کا
اہتمام رہتا ہے۔ (ترمذی عن ابی ہریرہ رض)

# نقد و تبصرہ

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمایئے)

## تفسیر ماجدی جلد اول

مؤلفہ: مولانا عبد الماجد دریابادی۔
شائع کردہ: صدق جدید بک ایجنسی
کچہری روڈ۔ لکھنؤ
۲۲×۲۹ سائز کے ۶۹۰ صفحات
قیمت اٹھارہ روپے

یہ جناب مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہم العالی کی لکھی ہوئی معروف اردو تفسیر کا دوسرا ایڈیشن ہے جو مولانا نے ترمیم و اضافہ کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے شائع فرمایا ہے۔ اس جلد میں سورۂ فاتحہ سے سورۂ آل عمران کے ختم تک کی تفسیر مکمل ہو گئی ہے، مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ چار سو پھیلی ہوئی گروہ بندیوں سے بالکل الگ رہ کر سالہا سال سے علم و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

قرآن کریم کی تفسیریں ہر زبان میں بے شمار لکھی گئی ہیں اور کسی کو بھی یہ دعوےٰ نہ ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے کہ اس نے قرآن کریم کا حق ادا کر دیا۔ البتہ ہر تفسیر اپنی بعض خصوصیات میں دوسری تفاسیر سے ممتاز ہوتی ہے۔ مولانا مدظلہم کی زیر تبصرہ تفسیر میں چند خصوصیات ہمیں مطالعہ کے دوران خاص طور سے نظر آئیں۔

اس تفسیر کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ یہ ایک ایسے صاحب علم و فکر بزرگ کی لکھی ہوئی ہے جو اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں عرصۂ دراز تک فلسفے کے "گماں آباد" میں بسنے کے بعد قرآن کریم کی طرف آئے تھے، اس لئے وہ جدید ذہن کی دکھتی ہوئی رگوں سے بخوبی واقف ہیں، اور جن مقامات پر تشکیک زدہ دماغ میں طرح طرح کے اعتراضات کلبلایا کرتے ہیں وہاں سے وہ اپنے قاری کو بڑی سلامتی کے ساتھ گذار کر لے گئے ہیں، ——— اعتراضات کو دور کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے اعتراض قائم کیا جائے اس کے بعد اس کا جواب دیا جائے، اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بات اس طرح کہہ دی جائے کہ اعتراض ذہن میں پیدا ہی نہ ہو۔ مولانا نے بیشتر مقامات پر اس دوسرے طریقے کو اختیار فرمایا ہے۔ مثلاً ختم اللہ علیٰ قلوبہم کے ذیل میں مولانا تحریر فرماتے ہیں:

> "اللہ کی طرف سے مہر لگ جانے کا یہ فعل بندہ کے کفر اختیاری کے بعد ہوتا ہے نہ کہ اس کے قبل؛ بندہ کے کفر اختیاری کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ اس کا

مُسَبِّب[1] الخ" (ص ۲۷)

تقریباً ایسی ہی ایک بات، اس سے زیادہ واضح انداز میں، یُضِلُّ بِہٖ کی تفسیر میں مولانا فرماتے ہیں۔

"یُضِلُّ بِہٖ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ بندہ جب اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہی اختیار کرنے لگتا ہے تو حق تعالیٰ اس کا بھی سامان بہم پہنچا دیتا ہے، یہ نہیں کرتا کہ سامان تو اکٹھے ہو جائیں اور نتیجہ برآمد نہ ہونے دے۔" (ص ۵۸)

جنت میں جسمانی نعمتوں کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انھوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا۔ ..... لیکن اگر جنت کا اقرار ہے تو پھر وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے لحاظ سے صحیح ہیں نہ عقل کے اعتبار سے جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہوگا۔" (ص ۵۴)

قرآن کریم نے یہودیوں سے کہا تھا کہ اگر واقعتہً تم اس پر یقین رکھتے ہو کہ آخرت کی نعمتیں صرف تمہیں ہی ملیں گی تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے؟ اس پر ایک مشہور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے بڑی ہی دلنشین بات لکھی ہے :

"قدیم مفسرین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ یہی مطالبہ یہود بھی تو الٹ کر مسلمانوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکتے تھے ..... لیکن حقیقۃً یہ سوال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کوئی مسلمان کب اپنی نجات کو محض مسلمان گھرانے میں پیدا ہو جانے سے یقینی سمجھتا ہے؟ ..... اسلام تو اس نسلی تقدیس اور اضطراری نجات کے عین مٹانے کے لئے ہے۔ مسلمان تو خود کہتا ہے کہ مجھے اپنا

انجام نہیں معلوم، میں ایمان اور طاعت کی راہ اپنی طرف سے اختیار کر کے آگے فضل خداوندی کا منتظر ہوں الخ" (ص ۶۵)

اس تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مولانا نے عصری علوم اور جدید تحقیقات کو قرآن کریم کا خادم بنا کر پیش کیا ہے اور بہت سے تاریخی واقعات اور جغرافیائی حالات کی عمدہ تحقیق فرمائی ہے، مگر محض نعروں سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ قرآن کریم کی مسلمہ تفاسیر سے انحراف نہیں کیا۔ چند باتیں جنھوں نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا درج ذیل ہیں، حضرت موسیٰؑ کے لئے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بعض نادان مسیحیوں نے اس تعداد پر اعتراض کر دیا کہ یہ تو بائبل میں موجود نہیں، قرآن کریم نے کہاں سے گڑھ کر کہہ دیا؟ قدرت نے سوال کا جواب مسیحیوں کی زبان سے دلوا دیا، جارج سیل ..... لکھتا ہے "چٹان میں اس وقت چوبیس سوراخ موجود ہیں ..... بارہ ایک طرف اور بارہ ان کے مقابل جانب" (ص ۱۱۶)

قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ یہودیوں پر مسکنت (افلاس) طاری کر دی گئی ہے۔ شبہ ہوتا ہے کہ آجکل یہودیوں کی مالداری تو مشہور ہے، مولانا فرماتے ہیں :

"دولت و ثروت جتنی بھی ہے وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے، جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے ..... یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں انھیں کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ جلد ۱۰ ص ۱۵۱" (ص ۱۲۰)

اتَّخَذَ اللہُ وَلَدًا کے تحت مولانا لکھتے ہیں :

"مسیحیوں کے ہاں ایک زبردست فرقہ اتحادیوں

---

[1] اس لفظ کو مسبِّب (بکسر با) پڑھ کر بات صحیح تو ہو جاتی ہے مگر یہاں کے لئے زیادہ واضح لفظ "سبب" تھا۔

(Adoptionists) کا گذرا ہے ...... آیت میں صاف اشارہ مسیحیت کی اس شاخ کی جانب ہے" (ص ۴۴۲)

قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان پر پھونک مارتے تھے تو ان میں جان پڑ جاتی تھی۔ چونکہ موجودہ بائبل میں یہ معجزہ مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے غیر مسلم اس پر اعتراض کیا کرتے تھے، مولانا لکھتے ہیں:

"جو انجیل کلیسائے قبط (مصر) کی مستند الیہ ہے اس میں یہ صاف مذکور ہے، جیسا کہ ڈاکٹر بج نے اپنی کتاب "لیجنڈس آف اور لیڈی میری" کے مقدمہ ص ۲۹ میں نقل کیا ہے" وہ پرندوں کی شکل کے جانور بنا دیتے تھے جو اُڑ سکتے تھے" (ص ۵۴۳)

اس تفسیر کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بیشتر مقامات پر مولانا نے ترکیب و تشریح کے صاف اور سیدھے اقوال کو اختیار کیا ہے، اور اپنے ماخذ کی عربی عبارتوں کے اقتباسات بھی ساتھ دیدیئے ہیں، اس سے اہل علم کو بڑی آسانی ہو گئی ہے، لیکن اگر یہ عبارتیں حاشیے پر کردی جاتیں تو شاید اردو خواں حضرات کے لئے زیادہ سہولت ہوتی۔

اور تفسیر کی چوتھی خصوصیت تو مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے نام سے خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہے زبان و اسلوب کی حلاوت اور بے تکلفی[1]۔

اب ہم چند ان چیزوں کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے تفسیر کے مطالعہ کے دوران ہمارے دل میں خلش پیدا کی:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ کئی مقامات پر کچھ ایسا اجمال پایا جاتا ہے جس سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی، بلکہ اس سے غلط مطلب بھی نکل سکتا ہے، مثلاً صفحہ ۷۴ پر ہے:

"آسمان کوئی ٹھوس مادی جسم رکھتا ہے یا محض خلاء و منتہائے نظر ہے، اس قسم کے مسائل کا تعلق تمامتر دنیوی تجربی علوم سے ہے، قرآن کو تو آسمان کا صرف وہی وصف بیان کرنا تھا جو سلسلہ ہدایت بشری و خلافت الٰہی سے تعلق رکھتا ہے"

بلا شبہ ہیئت کے مسائل قرآن کریم کا موضوع نہیں لیکن جب خود قرآن کریم نے سات "تہہ بر تہہ" آسمانوں اور ان کے دروازوں کا صراحۃً ذکر فرمایا ہے تو اسے محض خلاء و منتہائے نظر سمجھنے کا احتمال باقی ہی کہاں رہا؟ رہ گئی موجودہ سائنسدانوں کی بات تو وہ زیادہ سے زیادہ "عدم علم" ہے، "علم عدم" تو نہیں۔ صفحہ ۱۷۰ پر ہے:

"یہ روایت کہ حضرت حوا کی پیدائش حضرت آدم کی پسلی سے ہوئی ہے، توریت کی ہے ..... بعض حدیثی روایتیں جو اس مضمون کی مروی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جسے قطعی صحت کا درجہ حاصل ہو۔ اور قرآن مجید نے اس سلسلہ میں سورۃ النساء اور سورۃ الاعراف میں جو کچھ کہا ہے اس کی تعبیر اور طریقوں سے بھی ہو سکتی ہے"

یہاں فاضل مصنف سے سخت تسامح ہوا ہے، یہ روایت صحیح بخاری و مسلم دونوں میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ (دیکھئے مشکوٰۃ ص ۲۸۰)

---

[1] افتتاحیہ میں صفحہ ۴ پر ہے "یا تو ..... اور یا اس لئے دو مشہور الخ "ہم" اور "اور" "یا" کو متضاد سمجھتے تھے۔ "اور" کا لفظ دو چیزوں کو جمع کرنے کے لئے ہے، جبکہ "یا" دو میں سے ایک بیان کرنے کے لئے۔ اس لئے دونوں لفظوں کو اس طرح جمع کرنا ہم درست نہیں سمجھتے تھے، مولانا کے کلام میں یہ اجتماع دیکھ کر حیرت ہوئی۔ اگر ہمارا یہ اعتراض ہماری کوتاہ فہمی پر مبنی ہو اور کوئی صاحب اس کی تحقیق سے ہمیں مطلع فرما دیں تو ہم ممنون ہوں گے۔ (م۔ ت۔ ع)

اگر صحیح احادیث حجت ہیں تو ایسی صحیح اور قوی الاسناد حدیث کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟ قرآن کریم نے سورۂ نساء اور سورۂ اعراف میں جو کچھ فرمایا ہے اس کی اور تعبیریں ہو تو سکتی ہیں مگر ظاہر، متبادر اور مقبول عام تعبیر تو یہی ہے کہ حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ ہم بالکل نہیں سمجھ سکے کہ مولانا نے اس روایت کی تردید کی کیا ضرورت محسوس فرمائی ہے؟

صفحہ ۱۱۹ پر ہے:

"یہ ہیں کون لوگ جن کے اوپر ذلت اور تنگ حالی مسلط کر دی گئی ہے؟ ضمیر کا مرجع "الیہود" ...... نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہے۔ یعنی اس وعید کے مورد فلاں فلاں عقیدے رکھنے والے فلاں مسلک کے ماننے والے نہیں بلکہ اسرائیلی نامی (۹) ایک متعین قوم و نسل ہے۔"

یہ بات بھی بہت ہی محلِ نظر ہے، قرآن کریم میں بلاشبہ لفظ تو "بنی اسرائیل" کا استعمال ہوا ہے، لیکن ان کی جتنی باتیں قرآن کریم نے ذکر فرمائی ہیں اور ان پر جتنے حکم لگائے ہیں، وہ اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اسرائیل کے بیٹے ہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک خاص مسلک کے ماننے والے ہیں، صرف قوم و نسل کی بنیاد پر کسی کو مغضوب اور معتوب قرار دینا اسلام کے مجموعی مزاج کے بھی بالکل خلاف ہے، قرآن نے ہمیشہ غضب و عتاب عقائد اور مسلک پر کیا ہے نہ کہ رنگ و نسل پر۔

صفحہ ۳۵۱ پر ہے:

"تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی؟ الخ"

اگرچہ ص ۳۵۷ پر مولانا کی ایک عبارت سے مستنبط ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقدامی جہاد بھی جائز ہے۔ لیکن اس مقام پر مولانا کی عبارت کا اختصار پڑھنے والے کو یہی تاثر دے گا کہ "لڑائی کی ابتدا کرنا شریعت میں درست نہیں، اس مسئلے کی شرعی و عقلی حیثیت کو اس مقام پر واضح کر دیا جاتا تو اچھا ہوتا۔

ایک بات جو پوری تفسیر میں شدت کے ساتھ کھٹکتی ہے یہ ہے کہ مولانا نے تفسیر المنار کے اقتباسات بڑی کثرت کے ساتھ اپنی تفسیر میں درج کئے ہیں، اور اکثر مقامات پر تو اس پر سکوت ہی اختیار فرمایا ہے اور بعض جگہ ان کی تضعیف بھی کی ہے اور بعض جگہ ان کی تائید بھی۔ ہماری گذارش یہ ہے کہ تفسیر المنار کے مصنف ہوں یا مرتب، دونوں اپنی وسعتِ مطالعہ کے باوجود ذہنی طور پر مغربی افکار سے اتنے مرعوب اور جمہور سے اختلاف کرنے کے اتنے شوقین ہیں کہ ان کی تفسیر جگہ جگہ جمہور امت کے جادۂ اعتدال سے ہٹ گئی ہے، اور بعض مقامات پر تو حضرات نہایت خطرناک اور بے سروپا باتیں بھی لکھ گئے ہیں، ایسی حالت میں ان کی تفسیر کسی طرح بھی اس لائق نہیں ہے کہ وہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا ماخذ بنے۔ مولانا کی حیثیت اس وقت ایک مقتدا کی ہے۔ انہوں نے تو "منار" کے اقوال احتیاط کے ساتھ لئے ہوں گے لیکن جو لوگ "منار" کو مولانا کا ماخذ سمجھ کر اس پر اعتماد کریں گے کیا وہ کسی حد پر قائم رہ سکیں گے؟ مرورِ زمانہ کے ساتھ بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں مشہور معتزلی مفسر ابو مسلم اصفہانی کے اقوال بکثرت نقل فرمائے ہیں اور بیشتر مقامات پر ان کی سخت تردید بھی کی ہے، البتہ چند جگہوں پر انہوں نے یہ اقوال بغیر کسی تنقید کے بھی درج کر دیئے ہیں، آج لوگ ان کے اس طرزِ عمل کی بنا پر ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ رہے ہیں کہ امام رازی ابو مسلم اصفہانی کے بڑے مداح تھے۔ یہاں تک کہ اب ابو مسلم اصفہانی کی تفاسیر کا مجموعہ مرتب کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اور تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ یہ امام رازیؒ کے پسندیدہ مفسر کی تفسیریں ہیں۔

لہٰذا ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ مولانا مدظلہم کو اس قسم کی تفسیروں کے نقل کرنے سے ہی پرہیز کرنا چاہئے

چہ جائیکہ جن مقامات پر انھوں نے جمہور سے اختلاف کیا ہے وہاں ان کی توثیق و تائید بھی ہو۔ خاص طور سے صفحہ ۴۵۲ اور صفحہ ۴۴۴ پر "موت" کے جو معنی صرف "المنار" کے حوالہ سے بیان فرمائے گئے ہیں نظر ثانی کے مستحق ہیں۔ لغت (اور استعمال) میں ایک لفظ کے کئی کئی حقیقی اور مجازی معنی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن کریم میں متبادر اور حقیقی معنی سے عدول صرف اس وقت کیا جائے کا جب کوئی عقلی یا نقلی مجبوری ہو۔ علامہ بدر الدین زرکشیؒ وغیرہ نے تفسیر کے اس اصول کو بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

بہر کیف! ان چند باتوں سے قطع نظر، تفسیر ماجدی ہمارا ایک قیمتی دینی و علمی سرمایہ ہے، اور خاص طور سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی یہ ایڈیشن اچھا ہی ہے، اور پہلا ایڈیشن کتابت و طباعت کے اعلیٰ معیار کے باوجود جس بدذوقی کے ساتھ چھپا تھا یہ ایڈیشن اپنی ترتیب، نشست کے اعتبار سے اتنی ہی خوش ذوقی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

(م۔ ت۔ ع)

**مقام صحابہؓ** — از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مرتبہ عاصم نعمانی۔ شائع کردہ مکتبہ آئین ریلوے روڈ لاہور۔ $\frac{20\times30}{16}$ کے ۱۰۰ صفحات کتابت و طباعت معیاری عکسی۔ قیمت نیوز پرنٹ ۶۰ پیسے، سفید کاغذ ۸۵ پیسے۔

اس مختصر رسالہ میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی ان تحریروں کو جمع کیا گیا ہے جن سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مناقب و فضائل پر روشنی پڑتی ہے، یہ تحریریں مولانا کی مختلف کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ "خلافت و ملوکیت" کی اشاعت کے بعد سے مولانا پر جو شدید اعتراضات کئے جا رہے ہیں، بظاہر اس کتابچے کا مقصد ان اعتراضات کے جواب میں یہ دکھانا ہے کہ مولانا صحابۂ کرامؓ کے فضائل و مناقب کے معترف ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں مولانا کے مختلف مضامین کے اقتباسات سے حضرات صحابہ کے متعلق جو عقیدہ اور نظریہ پیش کیا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو برا کہنے والا فاسق ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان بھی مشتبہ ہے بلاشبہ حق و صحیح اور تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور دعا ہے کہ ان کو اور ہم سب کو اسی عقیدہ پر استقامت نصیب ہو، لیکن خلافت و ملوکیت کا وہ حصہ جو مشاجرات صحابہ سے متعلق ہے وہ اس کی بالکل ضد ہے، اس کا پڑھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے مصنف کا عقیدہ صحابۂ کرام کے متعلق وہی ہے جو ترجمان القرآن میں لکھا گیا ہے۔ متعلق وہی ہے جو اس کتابچے میں ترجمان القرآن کے حوالہ سے لکھا گیا ہے۔

لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ جب تک "خلافت و ملوکیت" کے ان سخت قابل اعتراض حصوں کی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک یہ کتابچہ ان اعتراضات کو ہرگز دور نہیں کر سکے گا جو بجا طور سے مولانا پر کئے گئے ہیں، آجکل مولانا مودودی صاحب برطانیہ میں زیر علاج ہیں، ہماری پُر خلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور وہ وطن واپس آکر ان سنگین غلطیوں کی کما حقہٗ تلافی کر سکیں۔

(م۔ ت۔ ع)

---

**حدیث**: جب تم روزہ کھولنے لگو تو کھجوروں سے افطار کرو کیوں کہ کھجور سراپا برکت ہے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے روزہ کھول لے کیونکہ وہ ظاہر و باطن کو پاک کرنے والا ہے۔ (ترمذی عن سلمان بن عامرؓ)

**حدیث**: موسم سرما میں روزہ رکھنا مفت کا ثواب ہے (ترمذی عن عامرؓ)

---

# دینی مدارس کے طلباء کے لئے خوشخبری

## دارالعلوم میں تخصص فی الفقہ کا اجراء

نصاب اور نظام کی تفصیلات کے لئے دیکھئے البلاغ کا شمارہ شعبان ۱۳۸۸ھ

## شرائط داخلہ

(۱) ـــــ اس شعبے کے لئے صرف وہ طلباء اپنی درخواستیں ارسال کریں جو :

(الف) کسی معروف دینی درسگاہ سے اعلیٰ درجہ میں فارغ التحصیل ہوں۔

(ب) اردو تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کے حامل ہوں۔

(ج) فقہ اور اصولِ فقہ میں خصوصی استعداد و مناسبت رکھتے ہوں۔

(۲) ـــــ تقریری امتحانِ داخلہ مندرجۂ ذیل کتابوں میں لیا جائے گا۔

بیضاوی یا جلالین۔ صحیح بخاری۔ ہدایہ کامل۔ شرح عقائد۔ مختصر المعانی۔ مقامات حریری۔ سلم العلوم اور میبذی۔

اس کے علاوہ اردو تحریر و انشاء کی صلاحیت کا بھی امتحان کیا جائے گا۔

## وظیفہ

جو طلباء امتحانِ داخلہ میں کامیاب ہو کر اس شعبے میں داخل ہوں گے، انہیں فراغت تک پچاس روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جائے گا۔

داخلے ۱۵ شوال ۱۳۸۸ھ سے شروع ہو کر ۵ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ کو ختم ہو جائیں گے۔

بہتر ہے کہ خواہشمند طلباء دارالعلوم آنے سے قبل ہی اپنی درخواستیں ارسال کر دیں ـــــ درخواستیں اس پتہ پر بھیجی جائیں

---

مولانا قاری رعایت اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴